بیادِ پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعر و ادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

اشاعت کا سولہواں سال ۷۳/واں شمارہ

سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

ہمارے سرپرست
علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
جناب خادم رسول عینی (بھساول)
جناب محمد رفیق وارث مصباحی (جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ)

مدیر اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

معاون مدیران		مدیر
عبدالمتین جامی	سیّد نور الٰہی ناطق	سید نفیس دسنوی
Mob-9938905926	Mob:9237427933	Mob:9437067585

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800

کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔ 9090156995

مجلسِ مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمر الزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل

قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ، ہائی کورٹ)

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔ 753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: ۲۵/روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰/روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰/روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰/روپے بیرونِ ممالک: ۲۵/امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف Mohammed Sayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵/روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰/امریکی ڈالر)

Name Of Account Holder:Mohammed Sayeed
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-P.K.ParijaRoad, Cuttack

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چتا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔ 753001 سے شایع کیا۔

یادوں کے جھروکے سے
سید شکیل دسنوی مرحوم

دل کے نازک شیشے پر یہ چوٹ پڑے گی سوچ ذرا
پنگھٹ پر اک پردیسی سے دیکھ نہ گوری آنکھ لڑا
جب سے ملے ہیں ہم بھی پریشاں، تو بھی ہے بدنام بہت
اپنا پریچے واپس لے لے آگے اب نہ بات بڑھا
آنکھ میں آنسو، اڑی سی رنگت، ہونٹوں پر بے جان ہنسی
پریت میں تیری او ہرجائی دل کو کیسا روگ لگا
روپ ہے تیرا پھول سا کومل اور دنیا کی نظر بری
تجھ کو اپنے دل میں چھپا لوں آ آنکھوں کے رستے آ
تارے گن گن رات کٹے اور صبح سے کرنا شام محال
او سپنوں میں بسنے والی آنکھ سے یوں نیندیں نہ اڑا
ہوا کے یہ آوارہ جھونکے کب آنچل میں رکتے ہیں
سیدؔ تو پردیسی ٹھہرا دیکھ نہ اتنی پریت بڑھا

پیش کش
صادق علی انصاری (سیتاپور۔ یوپی)

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل و کرم سے برگ و بار لا کر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔ میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفر اب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

الحاج محمد ایوب خاں	بھوبنیشور
الحاج سیّد عطامحی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیرالدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھوبنیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھوبنیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئی
ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئی
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منور احمد جیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محبّ الرحمٰن وفا	یوڈا، مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمیدالدین ناز	بیدر
پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئی

مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھوبنیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمرالزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفر پور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔ جھارسوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

جناب نظام مجھولیاوی	مظفر پور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نغمی	رائسین (ایم پی)
بانو مہر سلطانہ بنت حمیدالدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئی
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخارالدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطامحی الدین	بھوبنیشور
جناب سید اولادِ رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادم رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)
محسن عظیم انصاری	لکھنؤ (یوپی)

قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کر کے ای۔میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی۔ اگر اس کی سہولت نہیں تو پھر ڈاک سے بھیجیں (ادارہ)

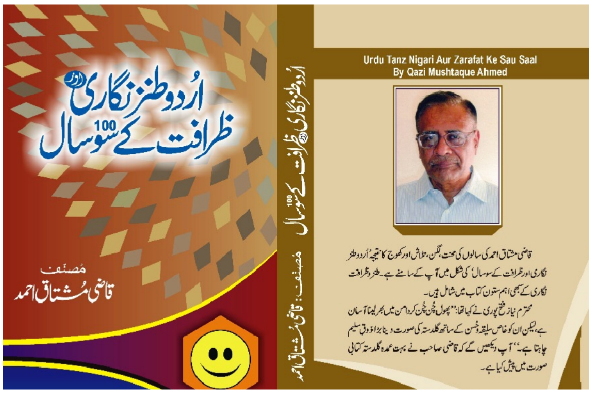

ادبی محاذ کے گوشے

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شایع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔ اس شمارے میں شیھ گاؤں کے سید سبحان انجم صاحب کا گوشہ شامل ہے۔ اگلے شمارے میں عزیز بلگامی صاحب کے گوشے کا انتظار کریں۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔ تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔ نمبر ہے: 09437067585

سید نفیس دسنوی

مدیر ادبی محاذ۔ کٹک

اس شمارے میں

ہمارے سرپرست — حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسی (نیویارک، امریکہ)
ہمارے سرپرست — جناب سید خادمِ رسول عینی (بھساول (انڈیا)
ہمارے سرپرست — جناب رفیق وارث مصباحی (جنوبی افریقہ)

محاذِ اول:

7۔جوش کے نام فراق کا تاریخی خط (پہلی قسط)... قاضی مشتاق احمد

محاذثانی:

8۔مشاعروں کی روایت — سید نفیس دسنوی

حمد ونعت

9۔عبدالمجید فیضی، اظہر نیر، عظمت علی عظمت انجینئر عزیز کوٹوی، مدثر عمر کیفی
10-صابر کاغذنگری، ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل، ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، محمد طفیل احمد حافظ، شاخ انور

11۔گوشۂ احباب

منظومات

13۔عبدالمجید فیضی علیم صبا نویدی، ڈاکٹر مسعود جعفری،
14۔خادم رسول عینی، اظہر نیر، عثمان غنی، ہارون سیٹھ سلیم

گوشۂ سید سبحان انجم

15۔ایک تعارف — سعید رحمانی
17۔ اپنے بارے میں — سید سبحان انجم
18.تعارف — حولدار سلیم الدین عامر
21۔ماہر عروض داں: سید سبحان انجم — ڈاکٹر حافظ کرناٹکی
22۔سید سبحان انجم ایک مثالی شاعر — فصیح اللہ نقیب
24۔ نکیلا تکون — عظیم انجم شیگاؤں
25۔اور ڈابا تو خلاؤں کے بھی اوپر نکلا — محمد نجم اللہ ابن مسلم
27۔ندائے انجم — ڈاکٹر انوار احمد
29۔ہم نے گیتوں میں وہی درد بتانا چاہا — ایک نصر اللہ نصر
31۔نمونۂ کلام — سید سبحان انجم

غزلیات

35 ۔ عبدالمجید فیضی، ڈاکٹر مسعود جعفری، ڈاکٹر بدر محمدی، قدیر احمد قدیر، اظہر نیر، عزیز بلگامی
36۔مرغوب اثر فاطمی، نیاز نذر فاطمی، ارشد مینا نگری، حنیف نجمی، محمد عدیل منصوری، مضطر افتخاری
37۔ڈاکٹر مقبوم منظر، اشرف یعقوبی، مناظر احسن رضوی، سید بصیر الحسن نقوی، مسعود تنہا، سراج زیبائی
38۔کے انیس اظہر، علیم طاہر، علیم الدین علیم، حیدر مظہری، مشتاق دربھنگوی، ابرار علوی

مضامین

39۔عابد نقوی کی شگفتہ تحریریں — تنویر اختر رومانی
42۔خادم رسول عینی کا قلم — رفعت کنیز
44۔نقدِ جان آرزو لکھنوی — پروفیسر محسن عظیم انصاری
45۔بلگام کا شاعر وتنقید نگار: عزیز بلگامی — شفیق رائے پوری
48۔بدر محمدی ''ہم عصر شعری جہات کی روشنی میں'' €نوار الحسن وسطوی

غزلیات

50۔تنویر پھول، صابر کاغذنگری، مناظر حسن شاہین، سید محمد نور الحسن نور نوابی، مدہوش بلگرامی، شاخ انور
51۔نعمت رضوی، ہلنی وبھا نازلی، الحاج ایم اے حمید عکسی، غلام سرور ہاشمی، مدثر عمر کیفی، ساغر ملارنوی
52۔شمس الحق شمس، ارشد دیوان، سہیل عالم، محمد ممتاز شعور، منیر ارمان نسیمی، حسن امام فدائی
53۔صابر جلالپوری، عارف محمد عارف، صلاح الدین تسکین، محمد فرقان فیضی، صدام حسین پرواز، جبیں نازاں

افسانے

54۔اور وہ رو پڑے — ندیم راعی
55۔ایک غزل — شارق عدیل
56۔پشیمانی — اقبال سلیم
58۔نظم اردو کا سفینہ — مطیع اللہ نازش
59۔تاریخ — حبیب ریتھ پوری
61۔ایک غزل — عبدالسلام کوثر
61۔ایک ہندی نظم — لکشمی کانت مکل
62۔حجاب — صادق علی انصاری
62۔ہزل — ڈاکٹر قمر الزماں
63۔آٹھ منی افسانے — منظور وقار
64۔توشیحی نظم — امان ذخیروی
توشیحی نظم — ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل

65۔ کتابوں کے شہر میں
68۔ **طرحی مشاعرہ**
71۔ **ادب پیما**
72۔ **متفرقات**

علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

اس پہ واضح ہے ایمان کی اہمیت — جانتا ہے جو انسان کی اہمیت
پوچھے 'او حیٰ الیٰ عبدہٖ' سے کوئی — عرشِ اعظم کے مہمان کی اہمیت
منکرینِ توسل کو کیا ہے پتہ — میرے آقا کے فیضان کی اہمیت
محورِ عشق کو خوب معلوم ہے — قلبِ مضطر کے ارمان کی اہمیت
کر کے قربان جاں حق کی خاطر حسین — ہم کو سمجھا گئے جان کی اہمیت
اصل ہے زیست میں حسنِ مضمون ہو — کچھ نہیں محض عنوان کی اہمیت
ان کی نعتوں نے بخشا عجب اعتبار — بڑھ گئی میرے دیوان کی اہمیت
پر بچھاتے ہیں راہوں میں اس کی ملک — یوں ہے ان کے ثنا خوان کی اہمیت

بالمقابل گدائے شہہِ دین کے
ہیچ ہے قدسی سلطان کی اہمیت

نعتِ پاک

نورِ خلاقِ جہاں ان کا وجودِ مسعود — خلق کی روحِ رواں ان کا وجودِ مسعود
ہوگا کوئی، ہے نہ کوئی ہوگا ان کا شریک — وحدتِ رب کا نشاں ان کا وجودِ مسعود
مَلتی رہتی ہے کفِ یاس یہاں تشنہ لبی — فیض کا بحرِ رواں ان کا وجودِ مسعود
ذرّے ذرّے پہ ہویدا ہے نبی کا جلوہ — یہ نہ کہئے ہے کہاں ان کا وجودِ مسعود
وہ نہ ہوتے تو فقط ربِّ دوعالم ہوتا — جسم کونین کی جاں ان کا وجودِ مسعود
کفر و شر زیر ہوئے حق کا اجالا پھیلا — خلق کی برقِ تپاں ان کا وجودِ مسعود
ان کی بعثت سے فسادات کے بازو ٹوٹے — باعثِ امن و اماں ان کا وجودِ مسعود
فرش تا عرش سبھی ہاتھ ہیں پھیلائے ہوئے — رحمتِ کون و مکاں ان کا وجودِ مسعود

ان کی یادوں کے شجر کی لو پناہیں قدسی
درد میں کیف رساں ان کا وجودِ مسعو

غزل

تخیلِ وہی شہہِ رگِ ادب سے ہے — وہ شعر گوئی ہے بے جان جو کسب سے ہے
بغور سنئے کہ یہ آسمان کی ہے پکار — ستارۂ سحری ہم کلام کب سے ہے
یہ راز کھل کے بھی ہے ہر بشر سے پوشیدہ — عجیب تعلقِ غم جادۂ طرب سے ہے
جب اس کے جود و کرم کی ہے دھوپ، ہر جانب — تو کیوں وجود بھی سہما ہوا غضب سے ہے
بپا ہے کیسا تصادم یہ نور و ظلمت میں — ہویدا دن سے ہے شب اور دن بھی شب سے ہے
ہزار قسمیں وہ کھاتا رہے صفائی کی — یہ قتلِ عام بپا اس کے ہی سبب سے ہے
کسے کہیں کہ ہے معصوم دورِ حاضر میں — گناہ و جرم کی تلویث آج سب سے ہے

ہے خوش نصیب مری عرضِ مدعا قدسی
کرم کی بارشِ پیہم مری طلب سے ہے

غزل

کون کہتا ہے آگ ہے کاغذ — وقت کے منہ کا جھاگ ہے کاغذ
اس کو کھاتی ہے شوق سے تحریر — گویا سرسبز ساگ ہے کاغذ
لے کو ہموار کر تو اس کے ساتھ — میٹھا میٹھا سا راگ ہے کاغذ
روشنائی بکھرتی جاتی ہے — میرا اندھیارا بھاگ ہے کاغذ
اس سے مربوط کر تو اپنا خیال — ذہن کی ڈور باگ ہے کاغذ
ہے سراسیمگی دل و جاں پر — کتنا شوریدہ پاگ ہے کاغذ
تجھ کو دیکھا گیا ہمیشہ اداس — غم سے کیسی یہ لاگ ہے کاغذ

اس سے محفوظ رکھ تو اپنا قلم
قدسی زہریلا ناگ ہے کاغذ

جنابِ سید خادمِ رسول عینیؔ (بھساول۔جلگاؤں)

سرپرست ادبی محاذ

مستقل پتہ: خانقاہِ قدوسیہ۔قدوسی نگر۔مرزاپور۔بھدرک (اڈیشا)

نعتِ پاک

میری آنکھوں میں ہے طیبہ کا نظارا باقی
جو فنا ہو نہ سکے ایسا ہے جلوہ باقی
دیکھتے ہی درِ ضوبار شہہِ عالم کا
دید جنت کی رہی پھر نہ تمنا باقی
رحمتِ دوجہاں آیے تو کھلا امن کا باب
اب نہ ہے شور کہیں، اب نہ ہے غوغا باقی
بزمِ امکاں کے شہنشاہ سے ہے ربط مرا
دل میں اب ذرّہ برابر نہیں کھٹکا باقی
حسرتِ دیدِ نبی ہو نہیں پائی پوری
ہے تمنا کا مگر خواب سہانا باقی
اہلِ بیتِ شہہِ کونین کی صورت اب بھی
بزمِ عالم میں ہے آقا کا اجالا باقی
سود سے بچتے رہو اور قناعت میں جیو
قبل از موت رکھو کچھ بھی نہ سودا باقی
ان کی جب یاد رہے درد کا درماں عینیؔ
کیوں رہے دل میں مرے فکرِ مداوا باقی

نعتِ پاک

جو بشر ان کی سیرت میں ڈھل جایے گا
سوئے خلدِ بریں وہ نکل جایے گا
جب رخِ شاہ کی ہوگی مجھ پہ نظر
''رخ مخالف ہوا کا بدل جایے گا''
ان کی چشمِ شفاعت میں ہے یوں تپش
ہر گنہ میرا محشر میں جل جایے گا
ان کے فیضان کے کوہ کو دیکھ کر
کرب کا سارا لشکر دہل جایے گا
لائیں گے دل میں تشریف جانِ جہاں
جب بھی شوقِ ملاقات ابل جایے گا
جس طرف ہے ادائے حبیبِ خدا
اُس طرف ہی خیالِ غزل جایے گا
جس کے دل میں ہے پیوست ذوقِ سلیم
وہ سلامِ رضا سے مچل جایے گا
تو نے چھینا ہے حق تو ادا کر اسے
مت سمجھ توبہ سے ہی نکل جایے گا
جامِ عشقِ نبی عینیؔ ہے جام وہ
جس کے پینے سے انساں سنبھل جایے گا

غزل

کسی کا نقص جو کردار سے نکل آیا — کمال جبہ و دستار سے نکل آیا
معاشرت میں ہی رہنا تھا ہر بشر کو مگر — عجب ہے شخص وہ سنسار سے نکل آیا
تمام کوششیں کیں جرم کو چھپانے کی — مگر وہ شہر کے اخبار سے نکل آیا
تمام باغوں کے پھولوں کے دست تھے خالی — سرورِ دست کے اک خار سے نکل آیا
حقائق اپنے جو تھے یک بیک ہویے ناکام — انوکھا جھوٹ طرف دار سے نکل آیا
وہ جس کے پھول نہیں دیتے وقت پر خوشبو — میں ایسے دہر کے گلزار سے نکل آیا
شکایتیں تھیں مجھے گرچہ عینیؔ اپنوں سے — میں پھر بھی خانۂ اغیار سے نکل آیا

غزل

کتنا ماحول خوشگوار رہا — میرے ہونٹوں پہ ذکرِ یار رہا
جس میں اخلاق برقرار رہا — واسطے اس کے ہی قرار رہا
اس کی یادوں کے پھول ہیں دل میں — عمر بھر موسمِ بہار رہا
واسطے حق کے لکھ رہا تھا شعر — میں سدا ایسا خوش شعار رہا
انس ہے مجھ کو اس سے کچھ ایسا — دل مرا اس پہ ہی نثار رہا
پھر بھی وہ بے وفا نہیں بدلا — میں ہمیشہ وفا شعار رہا
باغ کے گل ہیں کیوں نظر انداز — ذہن میں تیرے صرف خار رہا

علامہ رفیق وارثؔ مصباحی (جوہانسبرگ جنوبی افریقہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

عشق کے لب پہ یہی ایک ہے نغمہ باقی   ان کی یادوں سے رہے دل میں اجالا باقی
بے بدل قلزمِ فیضان کے ساقی وہ ہیں   کیسے کوئی رہے کونین میں پیاسا باقی
ان کی بخشش کے حسیں ہونٹ سے لوری سن کر   کیسے کہہ دوں کہ جہنم کا ہے خطرہ باقی
ان کی رحمت سے ملی عشق کو منزل ایسی   دیدِ جنت کی رہی پھر نہ تمنا باقی
والضحیٰ رخ ہے تو واللیل ہیں ان کی زلفیں   کیا کوئی اس سے بھی بڑھ کر ہے سراپا باقی
ماہِ طیبہ کے حسیں در کی ضیاؤں کے طفیل   روئے دل پر نہ رہا ایک بھی دھبہ باقی
نفس کی قید سے میری ہو رہائی آقا   تیری نصرت کے سوا اب کہاں رستہ باقی
اے خدا جب میری راہوں میں ہو حائل ظلمت   رکھنا اس دم مرے ایماں کا سویرا باقی

آہی جائیں گے کسی روز وہ گھر میں وارثؔ
ہجر کا وصل سے کچھ ایسا ہے رشتہ باقی

نعتِ پاک

مصطفیٰ کی سخا پر دل و جاں فدا   ان کی شانِ عطا پر دل و جاں فدا
ہوگئے جن سے کون و مکاں نور نور   ایسے نورِ خدا پر دل و جاں فدا
جن کے خلقِ حسیں پر ہے قرآں نثار   ان کی ہر ہر ادا پر دل و جاں فدا
جس کے دامن میں اتری کتابِ مبیں   اس منور حرا پر دل و جاں فدا
رب کے عرفاں کی ہے جس کی ہستی دلیل   ایسے حق آشنا پر دل و جاں فدا
کفر کی شب سے کہتا ہے ایماں کا نور   صبحِ رخ کی ضیا پر دل و جاں فدا
مندمل ہوگیا جس سے عصیاں کا زخم   اس دعائے شفا پر دل و جاں فدا
خود بہارِ جناں کا یہ اعلان ہے   ان کے در کی ہوا پر دل و جاں فدا

فکرِ وارثؔ کو جس سے جلا مل گئی
ایسے بیدم رضا پر دل و جاں نثار

غزل

کیا حسیں ہے یہ سوغات مت پوچھئے   ان کی آمد کی ہے رات مت پوچھئے
ہجر کا آسماں بادلوں میں گھرا   آنے والی ہے برسات مت پوچھئے
درد وغم، چشمِ تر، نیم جاں، زرد رنگ   مجھ پہ ان کی عنایات مت پوچھئے
چھا گئی ظلمتوں کی فضا ہر طرف   دورِ حاضر کے حالات مت پوچھئے
خواب میں آگئے ہیں عیادت کو وہ   ان کی رحمت بھری بات مت پوچھئے
دید ہوگی جب ان کی بہ وقتِ ممات   کیسے ہوں گے وہ لمحات مت پوچھئے
لفظ بے بس ہوا ان کا رخ دیکھ کر   کیا عجب تھی ملاقات مت پوچھئے

چشمِ تر میں مری ان کے دیدار کی
کیسی وارثؔ ہے خیرات مت پوچھئے

غزل

بجھی جو آگ تو آیے وہ آہیں بھرتے ہویے   ریا کے تیر کو آنکھوں سے پار کرتے ہویے
شبِ فراق سے کہتا ہے وصل کا سورج   گزر بھی جائیں گے لمحے یونہی گزرتے ہویے
خیالِ یار میں باقی رہی ہیں جو سانسیں   گزار دینا انھیں ڈوبتے ابھرتے ہویے
غموں کے صحن میں تھک کر شعور اترا ہے   پلاؤ اس کو بلندی کا جام بھرتے ہویے
وفا کے پیڑ کی شاخوں کو جس نے کاٹا تھا   وہ بے حسی میں گھرا ہے لرزتے ڈرتے ہویے
خلوص و خلق کے گاروں سے گھر بنا اپنا   کہا زمیں سے فلک نے یہی اترتے ہویے
بڑا عجیب سا رشتہ ہے گل کا خوشبو سے   جدا نہ ہوسکے دونوں کبھی بچھڑتے ہویے
نہیں رہے گا گلہ خار کے مظالم کا   گلوں کے صبر کو دیکھو اگر نکھرتے ہویے

غموں کی راہ سے خود کو گزار لے وارثؔ
گزر ہی جایے گا جیون یوں ہی گزرتے ہویے

قاضی مشتاق احمد (پونے)

محاذِ اول

جوشؔ کے نام فراقؔ کا ایک تاریخی خط

(پہلی قسط)

پیارے جوش ملیح آبادی! سلامِ شوق

تمہارا جو ایک خفیہ انٹرویو تھا یعنی اس کو تمہارے مرنے کے بعد شائع ہونا چاہیے تھا مگر تمہارے حاشیہ برداروں نے اس کو قبل از وقت شائع کر کے راز کو فاش کر دیا اور تمہارے اوپر عتاب نازل ہونے لگے۔ میرے نزدیک یہ تمہاری غلطی تھی۔ پاکستان میں رہ کر اقبالؔ کی مخالفت دانش مندی نہیں اور صحیح بات تو یہ ہے کہ تم اقبالؔ کو سمجھ بھی نہیں سکتے کیونکہ اقبالؔ نے دینِ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس کی افادیت میں اعلیٰ پیمانے کی گہرافشانی کی ہے۔ ان کا علم اس معاملے میں مکمل ہے۔ تمہارا علم اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ تم دین سے واقف ہی نہیں اور دین کی گہرائیوں کا مطالعہ کرنے کے لیے علم کم ہے اور پھر طرہ یہ کہ تم دہریئے بھی ہو۔

تم آفاق کے کفر میں گم ۔ اقبالؔ دین کی ہمیشگی سے لبریز

تمہاری شاعری اس لیے نہیں مانی جا سکتی کہ دونوں میں تضاد ہے۔ میں نے جو اقبالؔ پر اعتراض کیے ہیں اس کی نوعیت الگ ہے۔ یعنی وہ ملت کی شاعری اگر نہ کرتے تو عظیم شاعر ہوتے لیکن ملت کی شاعری پر میں نے تنقید نہیں کی کیونکہ میں اسلامی مسائل سے نابلد ہوں۔ اور اگر واقف بھی ہوتا تو مجھے اس کا حق نہیں کہ کسی کے دینی معاملات میں دخل دوں۔ ملت کی شاعری کے علاوہ جو کچھ اقبالؔ نے کہا ہے وہ بھی بہت کچھ ہے۔ تمہاری تنقید اقبال پر پر ہر طرح سے غیر معتبر ہے کیونکہ کہیں تم دہریئے بن جاتے ہو اور کہیں پر مرثیے میں اپنے جوہر دینی طور پر دکھانے لگتے ہو اور حسینؑ کی مدح میں یہاں تک کہہ گئے ہو

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ۔ ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

تم نے مذہب کی تبدیلی بھی ادبی فائدے کے لیے کی تھی۔ جب اس سے کچھ حاصل نہ ہوا تو علما کے خلاف لکھنا شروع کر دیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کوئی عالم تعریفِ حسینؑ کرے تو اس پر اعتراض اور تم حسین کی مدح سرائی کرو تو سب سر دھنیں۔ تم نے حسین کی تعریف یہ کہہ کر کی کہ میں حسینؑ کو الگ سے ایک عظیم انسان مانتا ہوں۔

میرے پیارے! تم تک حسینؑ کی عظمت اور کردار کیسے پہنچا؟ تم تو کربلا میں موجود نہ تھے۔ ہاں تاریخ کے صفحات ہی اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں لیکن جن صفحات میں حسینؑ کی تعریف ہے ان میں یہ بھی موجود ہے کہ حسینؑ رسول اللہ ﷺ کے نواسے تھے اور اپنے نانا کی پیروی سے آخری دم تک غافل نہیں ہوئے۔ یعنی کربلا میں بیعت کے سوال کو ٹھکرا دیا اور عالمِ سجدہ میں شہید ہو گئے۔ تم نے ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے حسینؑ کو عظیم مان لیا؟ یہ تمہاری فرضی اپچ کے سوا کچھ بھی نہیں جس کو کوئی بھی ذی فہم تسلیم نہیں کرے گا۔ ایک طرف خدا سے انکار اور بے یقینی اور مزید یہ کہ علما سے خطاب

خدا کو اور نہ پہچانیں یہ حضرت ! خدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں

تمہارے عقیدے کے لحاظ سے بھی تمہارا مرثیہ بارگاہِ حسینؑ میں اس لیے پیش نہیں ہو سکتا کہ تم نے خدا اور علما کی بھی توہین کی ہے۔ حسینؑ خدا کے ماننے والے اور نبی ﷺ کے نواسے تھے اور خدا ہی کی راہ میں شہید ہوئے۔ اس لیے شاعر نے ان کو یہاں تک مان لیا۔

دین ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ

اس لحاظ سے تم نہ پکے دہریے ہوئے اور نہ حسینؑ کے شیدا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تمہارے والد کو جب تمہاری مذہبی تبدیلی کا تیقن ہو گیا تو انھوں نے اپنی تمام جائیداد سے محروم کر دیا اور صرف سو روپے ماہانہ کے لیے لکھ دیے۔ یہ تمہارا ذاتی بیان ''یادوں کی بارات'' میں ہے لیکن اس پر تم اپنی ضد پر اڑے رہے اور اسی دوران بقول تمہارے تم نے ایک خواب دیکھا کہ ایک جلوس جا رہا ہے جو اتنا پاکیزہ اور بارونق تھا کہ تمہارے ہوش اڑ گئے اور اسی عالمِ حیرانی میں کسی نے تمہاری پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور وہ تھے جناب ابوذر غفاری۔ انھوں نے بتایا کہ اس جلوس میں پیغمبرِ اسلام اور مشکل کشا حضرت علی تھے جو آگے جا کر تمہیں ملیں گے۔ یہ سن کر تم پیچھے پیچھے وہیں پہنچ گئے اور تمہیں دیکھ کر پیغمبرِ اسلام نے علی مرتضیٰ سے کچھ فرمایا جسے تم سن نہ سکے لیکن علی مرتضیٰ بہ نفس نفیس تمہارے پاس آئے اور ارشاد فرمایا ''جو ہم سے محبت کرتا ہے نہ تو اس کی دنیا خراب ہوتی ہے اور نہ عقبیٰ۔ جاؤ جوشؔ بلندیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں''۔

پیارے جوشؔ! حضرت علی نے صرف تمہاری بلندیوں کے بارے میں فرمایا لیکن دین کی راہ پر چلنے کی کوئی تلقین نہیں فرمائی اور نہ شراب نوشی سے منع فرمایا۔ گویا ان تمام دینی لوازمات سے تمہیں بری کر دیا۔ طاعت و زہد کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں کیا اور حیرت ہے کہ یہ بھی نہیں فرمایا کہ اے جوشؔ! تم نے یہ جو بکا ہے کہ ''شبیر حسن خاں سے چھوٹا ہے خدا'' جبکہ خدا تک پہنچانے کے لیے پیغمبرِ اسلام تشریف لائے تھے اور کافروں سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دو تب بھی میں وحدانیت کا پرچار کرنے سے گریز نہیں کروں حضرت علی بھی اسی راہ پر گامزن تھے۔

(باقی آئندہ)

محاذِ ثانی

سیدنفیس دسنوی
Plot No:1481/B,Sector-6.C.D.A
Bidanasi.Cuttack-753014(Odisha)
Mob-9437067585
E.mail:nafis.desnavi@gmail.com

مشاعروں کی روایت

جزیرہ نما عرب میں قبائلی بازاروں اور میلوں میں شاعرانہ مقابلوں اور شعرخوانی کے عوامی مظاہروں کی روایت عام تھی۔ جسے مشاعرہ کا نکتۂ آغاز کہا جاسکتا ہے۔ عرب تو آخر عرب ہی تھے، وہ دوسروں کو عجمی سمجھتے تھے کیونکہ ان کے معاشرے میں شعر گوئی تہذیب وتمدن کی علامت اور زندگی کا ایک حصہ تھی۔ عکاظ ذوالمجنہ اور ذوالجاز کے مشاعرے یا شعری مقابلے عربی ادب کے اہم باب اور فنِ شاعری کے مشہور مراکز تھے۔ طلوعِ اسلام سے قبل مکہ معظّمہ کے ”عکاظ“ میلہ کے دوران شعرا ایک جگہ جمع ہوتے تھے اور اپنا کلام عوام کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان میں جو سب سے اچھا کلام منتخب کیا جاتا اسے خانۂ کعبہ کی دیوار پر چسپاں کردیا جاتا تھا تاکہ شعرا اس سے بہتر کلام ”عکاظ“ کے آئندہ میلے میں پیش کرسکیں۔ مگر طلوعِ اسلام کے بعد اس روایت کا خاتمہ اس وقت ہوا جب ”سورۂ کوثر“ نازل ہوا، اور اسے کعبہ شریف کی دیوار پر آویزاں کردیا گیا کہ کوئی شاعر اس سے بہتر تخلیق کرکے دکھلائے اور یہ کسی سے نہ ہوسکا۔

طلوعِ اسلام کے بعد یہ سلسلۂ شعروسخن حضرت حسان بن ثابتؓ کی نعتیہ شاعری اور مجاہدینِ اسلام کی رجز خوانی، پاکیزہ اصلاحی اور روحانی شاعری کے سانچے میں ڈھل گیا جس کے روح پرور شعری نمونے آج ہماری ادبی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ”نعت گوئی“ نے خالص اسلامی طرزِ سخن کی صورت میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔

عربوں پر تاتاریوں کی یلغار اور غلبے کے بعد عجمی اقتدار کے ساتھ ہی فارسی اور ترکی شاعری کو عروج حاصل ہوا۔ فردوسیؔ، سعدیؔ، حافظ، اور خیام نے علم الکلام یعنی شاعری کو فلک گیر بلندیوں تک پہنچایا۔ برِصغیر پر ایران کی راہ سے مسلمانوں کے غلبے کے ساتھ ہی مسلم صوفیائے کرام کی ہندوستان میں آمد، اور ان کے اسلامی اور انسانی نظریات کی آمیزش جب اپنیشد اور پراکرت کی تعلیمات سے ہوئی تو اس اتصال نے ایک نئی عوامی زبان اور تہذیب وتمدن کو جنم دیا۔ یہ نومولود زبان حضرت امیر خسرو تک پہنچ کر جملوں، محاوروں اور اشعار میں ڈھل گئی اور اس طرح ایک لشکری زبان اردو (ریختہ) وجود میں آئی۔ کم عمری میں ہی اس زبان نے وادئ سندھ سے ارضِ دکن تک اپنی حکمرانی قائم کرلی اور برصغیر میں رابطہ کی زبان کا اہم ترین رول ادا کرنا شروع کردیا۔

اردو زبان میں مشاعروں کا آغاز خواجہ میر دردؔ کی رہائش گاہ سے ہوا جہاں ہر ماہ چاند کی سولھویں تاریخ کو ادبی محفل سجائی جاتی تھی اور جسے ریختہ کی مناسبت سے ”فراختہ“ کہا جاتا تھا۔ بعد میں سرسید کی خواہش اور کرنل ہالرائیڈؔ کے اصرار پر مولانا الطاف حسین حالیؔ اور محمد حسین آزادؔ نے طرحی مشاعروں کی بجائے موضوعاتی مشاعروں کا آغاز کیا جس میں غزل کی بجائے نظم گوئی پر زیادہ توجہ دی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ تجربہ مشاعروں کے مزاج سے میل نہیں کھاتا تھا اس لئے زیادہ کامیاب نہ رہا۔ دراصل غزل آسان ترین صنفِ سخن بھی ہے اور مشکل ترین بھی۔ اگر مزاج میں موزونیت ہو اور حالات وموضوعات پر شاعر گرفت رکھتا ہو تو وہ شاعری کا آغاز غزل گوئی ہی سے کرتا ہے اور اسے فن کی معراج تک رسائی بھی غزل گوئی کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی کچھ دلچسپ مثالیں ہیں۔

نظیؔر اکبرآبادی کی عمر جب دس بارہ سال کی تھی تو انہیں ایک مشاعرے میں شرکت کا موقع ملا۔ وہاں حضرت میرتقی میرؔ بھی موجود تھے۔ جب نظیؔر اکبرآبادی نے یہ شعر پڑھا۔

نظر پڑی اک بتِ پری وش، نرالی سج دھج، نئی ادا کا
جو عمر دیکھوں تو دس برس کی قہر آفت، غضب خدا کا

تو حضرت میرؔ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسی طرح مہاراجا کشن پرساد کی حویلی میں منعقدہ ایک مشاعرے میں صاحبِ خانہ نے جب یہ شعر پڑھا:

بت پرستی میں کٹی عمر تو پر آہ نہ کیا۔ شادؔاب چل کے مدینے میں مسلماں ہوں گے

تو مشاعرے میں موجود حیدرآباد کے ایک بزرگ شاعر ہرمزؔ نے برجستہ یہ شعر پیش کیا:

بت پرستوں کو مدینہ کب آنے دیں گے
شادؔاب چل کے جہنم میں پشیماں ہوں گے

وزیرِ اعظم کے خلاف بھری محفل میں اس جرأتِ رندانہ کی پاداش میں آصف مساج کی شکایت پر وہ سرکاری ملازمت سے برطرف کردیے گئے۔ مگر بعد میں مہاراجا کشن پرساد نے اعلیٰ ظرفی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں دوبارہ بحال کردیا۔

☆☆☆

حمد و نعت

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

استغاثہ بہ برگاہِ الٰہ العالمین

خدایا اب تو اذان و نماز بھی ہے گناہ
کہ ہو چلی ہیں مساجد بھی اب ہماری تباہ

کچھ ایسے ہیں جو لگاتے ہیں آگ نفرت کی
کھٹکتی ہے جنھیں قرآن کی تلاوت بھی

مدارس اور مکاتب بھی ہو چلے مسمار
گھروں میں اپنے عبادت بھی ہو گئی دشوار

کھلی جگہ بھی کرے گر کوئی نماز ادا
قرار پایے گا مجرم ملے گی سخت سزا

کہیں بھی ہم کسی تقریب میں ہوں گر یکجا
لگائے جاتے ہیں الزام جرمِ سنگیں کا

ترے حبیب نے دارالاماں کہا جس کو
وہ سرزمین ہمارے لیے ہے تنگ اب تو

ہماری قوم و وطن سے وفا شعاری کی
کسی بھی قوم میں ہرگز نہیں ملا کرتی

ہمارا جذبۂ حب وطن شریعت میں
سراپا جوہرِ ایمان ہے حقیقت میں

ہمیں سے نعرۂ آزادئ وطن گونجا
ہمیں نے نغمۂ حبِ وطن کا سُر چھیڑا

ہمارے خون سے رنگیں ہے گلستانِ وطن
ہمارا جذبۂ ایثار داستانِ وطن

جگایا قوم میں آہنگِ جنگِ آزادی
بتایا ہوتا ہے کیا رنگِ جنگِ آزادی

ہمارا نعرہ ہے ہندوستاں پائندہ باد
ہمیں سے گونج اٹھا انقلاب زندہ باد

ہمیں سے گرم ہوئی ہر سو جنگِ آزادی
ہمیں سے فتویٰ آزادئ وطن جاری

بایں ہمہ ہے یہ ایثار بہرِ قوم و وطن
وطن میں رہتے ہیں پھر بھی ہیں ہم غریبِ وطن

بہت شدید ہے پاداشِ جرمِ ناکردہ
تری حمایت و نصرت ہو اب خدا وندا

انجینئر عزیز تنویر کوٹوی
ZeeshanFarmHouse.Bakramandi
Ajmer-305003(Rajasthan)

نمایاں تیری فطرت نے کیا جب حسنِ امکاں کو
سبھی مخلوق میں اشرف بنایا تو نے انساں کو

وہ بندے کور ہیں جو دیکھ نہ پائیں زمانے میں
تری موجودگی ظاہر و باطن میں نمایاں کو

کمالِ بے خودی میں جانبِ صحرا ہی جاتے ہیں
مذاقِ عشق یہ بخشا ہے کیسا تو نے انساں کو

جنونِ عشق جب کہ انتہائے بے خودی پر ہو
تو پھر تارِ نفس چومے ہر اک تارِ گریباں کو

ترے بندے جو جھکتے ہیں ترے آگے نہیں ڈرتے
وہ خاطر میں نہیں لاتے در و دیوارِ زنداں کو

نمازوں میں رہے تو روبرو ہر اک نمازی کے
شرف بخشا ہے یہ تو نے نمازوں میں مسلماں کو

تری تابندگی تنویرؔ نے وہ دیکھی کعبے میں
جو کر دیتی تھی حیراں اور بھی اس چشمِ حیراں کو

اظہر نیّر
At\P.O:Barhulia.Via:KansiSimri
Darbhanga-847106(Bihar)

تو ہی داتا ہے تو ہی آقا ہے
ہم تو ادنیٰ ہیں تو ہی اعلیٰ ہے

حشر میں تو بخشنے والا ہے
ہم تو بندے ہیں تو ہی مولا ہے

دین و دنیا میں جس طرف دیکھیں
رونق افروز تیرا جلوہ ہے

تیرے آگے خمیدہ سر اپنا
دل کی باتوں کو تو ہی سنتا ہے

ٹوٹی کشتی کا ایک راہی ہوں
مشکلوں میں ترا سہارا ہے

تیرا احسان ہے سدا مجھ پر
تیرا نیّرؔ حقیر بندہ ہے

عظمت علی عظمتؔ
4-1-1,FlatNo-204.2nd Floor
V.J.CricentHeights..Oppo:NasirMasjid
BalajiNagar.Kurnool-518006(A.P)

جسم کو روح کو اور دل کو قرار آتا ہے
آپ کی یاد سے غم دور چلا جاتا ہے

آپ کے شہر کی گلیوں کی وہ رونق پا کر
کون ایسا ہے کہ جو لوٹ کے گھر جاتا ہے

دیکھ لوں ایک نظر میں بھی ریاض الجنہ
دل مرا شام و سحر مجھ کو یوں تڑپاتا ہے

جا کے میں صحنِ حرم میں بھی سیراب ہوا
کہ جہاں منبرِ خضرا بھی نظر آتا ہے

مرے آقا نے جہاں کی تھی دعا نصرت کی
وہ جگہ دیکھنے ہر کوئی چلا جاتا ہے

آج بھی کوہِ ملائک کا وہ منظر عظمتؔ
واقعہ معرکۂ بدر کا دہراتا ہے

مدثر عمر کیفی
SabaHouse.DaccanMohalla
Piro-902207.Bhojpur(Bihar)

نام لب پر ہے صبح و شام اللہ
کتنا بے مثل ہے ترا مقام اللہ

فیض سب پر ترا ہے عام اللہ
شاہ، مفلس ہو یا غلام اللہ

جس پہ کر دے نظر عنایت کی
اس کا بن جایے پل میں کام اللہ

تیری توصیف ہو بیاں کیسے
عقل حیران ہے تمام اللہ

بھول جاتا ہوں رنج و غم سارا
جب بھی لیتا ہوں تیرا نام اللہ

تجھ سے قائم عمرؔ کی سانسیں ہیں
تجھ سے ہے دہر کا نظام اللہ

صابرؔ کاغذنگری

H.No:1-3-35/B,NearOldRailway
Gate.SanjivaihColony.
Sirpur.Kaghaznagar504296

صدقہ درِ حبیب سے جو کچھ ملا لیا　　وہ خاکِ پائے پاک تھی سرمہ بنا لیا
وہ صاحبِ بصیرت و ذی مرتبت ہوا　　"جس نے نبی کی یاد کو دل میں بسا لیا"
لغزش بہ وجہِ فطرتِ آدم تھی ہوگئی　　سرکار تھے شفیق، میں چہرہ چھپا لیا
دنیا میں مفلسی کی تو تہمت لگی رہی　　میں نے درِ رسول سے جنت کما لیا
ممکن کہاں تھی سیرِ ارم اس جہان میں　　یہ آپ کا کرم تھا مدینے بلا لیا
آدابِ بارگاہِ رُسل مختلف سہی　　تعظیم کا سوال تھا دل کو جھکا لیا

دنیا میں جس کو گوشہ نشینی کا شوق تھا
حیدرؔ نے تاج و تخت کو ٹھوکر میں لا لیا

ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل

Dept.Of Urdu.+2 Zilla School
Hazaribgh-825301(Jharkhand)

نبی کے فیض سے مدحت کی ہے زباں روشن
انھیں کے صدقے میں اب تک ہے یہ جہاں روشن
رسولِ پاک کی عظمت اگر ہے دل میں ترے
تو ان کے نور سے ہوگا ترا مکاں روشن
یہ اب بھی سچ ہے کہ قرطاسِ دل پہ نامِ نبی
قلم اٹھایا تو دل کی ہوئی زباں روشن
اگر ہے اہلِ نظر تو بتا دے دنیا کو
ترے نبی کا ہے اب تک ہر اک بیاں روشن
اتاری روح کی بستی میں شمعِ وحدت جب
اسی کی بو سے ہے خوشدلؔ یہ جسم و جاں روشن

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی

President Kainate Sokhan
Malangua.Sarlahi.Nepal

جس کو مدینہ جانے کی فرصت نہیں ملی
معراجِ زندگی کی سعادت نہیں ملی
لاکھوں یزید آج بھی ہیں کلمہ گو مگر
ان کو متاعِ عشق رسالت نہیں ملی
جو ایک بار آ کے فرشتے گئے تو پھر
دوبارہ حاضری کی سعادت نہیں ملی
فاسق ہے، بدنصیب ہے وہ شخص واقعی
جس کو مرے نبی کی محبت نہیں ملی
جن کے دلوں میں تھی نہیں الفت رسول کی
مرنے کے بعد ان کو تو جنت نہیں ملی
افسوس ہے وصیؔ کو کیوں شہرِ مصطفےٰ
جانے کی تجھ کو آج تک فرصت نہیں ملی

محمد طفیل احمد حافظ

At Sonapali P.O:Dhankoda
Sambalpur-768006(Odisha)
Mob-9178179786

نعلینِ پاک سے تری شمس و قمر کی آبرو
فرشِ زمیں سے عرش تک گردِ سفر کی آبرو
خیرِ بشر کی ذات ہے نوعِ بشر کی آبرو
خلقِ عظیم مرحبا، فتح و ظفر کی آبرو
کیف و نشاط کا سماں، فردوسِ گوش ہر بیاں
"ذکرِ حبیبِ کبریا جذب و اثر کی آبرو"
واللیل زلفِ عنبریں، والشمس روئے دل نشیں
جلوہ تو والقمر سے ہے ذوقِ نظر کی آبرو
محرم رازِ کن فکاں، شانِ وجودِ انس و جاں
ذاتِ گرامی آپ کی، ہر خشک و تر کی آبرو
حافظؔ وہ جاں فزا سماں، آمد ہے رحمتِ جہاں
حسنِ زمین و آسماں، نورِ سحر کی آبرو

شاخ انور

HouseNo-3-6-77,BadhLocality
NearMotimasjid.Adilabad-504001
(A.P) Mob-9133060829

ہے سب کے لیے رحمتِ سلطانِ مدینہ
ہے لطف و کرم فطرتِ سلطانِ مدینہ
شاہانِ جہاں ان کے غلاموں میں ہیں شامل
اعلیٰ ہے بہت عظمتِ سلطانِ مدینہ
کلمے کی بھی تکمیل نہیں ہوسکی اس میں
جب تک نہ ہوئی شرکتِ سلطانِ مدینہ
ڈالے گا جہنم میں اسے کیسے خدا پھر
پیاری ہے اسے امتِ سلطانِ مدینہ
معراج کی شب ان کو سرِ عرش بلا کر
اللہ نے کی دعوتِ سلطانِ مدینہ
بدبخت ہے وہ خلد میں داخل نہیں ہوگا
رکھتا جو نہیں نسبتِ سلطانِ مدینہ
وہ راہ بھٹکتا ہی نہیں زیست میں جس کی
ہے راہ نما صورتِ سلطانِ مدینہ

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

☆**پروفیسر اصغر عباس....(علی گڑھ)**

کوزہ میں سمندر کا نظارہ کرنا ہو تو مولانا محمد مطیع اللہ نازش کی گرانقدر تصنیف ''کشکولِ اردو ادب'' کو دیکھئے۔ یہ کتاب انتقادادبیات اور نثری منظومات کا نفیس مجموعہ ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے مجھے بار بار یہ محسوس ہوا کہ نازش صاحب کی نثری نظمیں پروفیسر خورشید الاسلام کی نثری منظومات کے مجموعہ'' جستہ جستہ ''اور سجاد ظہیر کے مجموعہ'' پگھلا نیلم'' کو آئینہ دکھاتی ہیں۔

''کشکول اردو ادب'' جیسی جامع کتاب کو اڈیشا میں بیٹھ کر لکھنا آسان نہیں تھا۔ لیکن نازش صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے یہ ادبی اور تخلیقی کارنامہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ انہوں نے ثابت کر دیا اس دورِ نا قدری میں اردو کے قلم کاروں کا حوصلہ بلند ہے۔ ان کی شعری اور نثری تمام تخلیقات ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور فنی اعتبار سے اعلیٰ معیار پر ہیں۔ دعاء ہے کہ ان کی تمام تصنیفات کو قبول عام حاصل ہو۔ اڈیشا کے اردو انشاء پردازوں کو ترغیب ملے۔ خصوصاً ''کشکول اردو ادب'' ایسی ادبی تخلیق ہے کہ جامعات اور یونیورسٹی کے درجات کے نصاب تعلیم میں شامل کیا جا سکتا ہے تا کہ اردو خواں طلبہ بھر پور استفادہ کر سکیں۔

نوٹ۔ ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی صاحب نے واٹس ایپ پر مجھے یہ مراسلہ ارسال کیا تھا۔

مطیع اللہ نازش

☆**سراج احمد (رائے بریلی) یوپی**

کلکتہ کے معروف ادیب وشاعر اور صحافی ڈاکٹر محمد زاہد کی آمد پر شہر رائے بریلی (اتر پردیش) میں ادارہ ''احباب'' کی خاص نشست منعقد ہوئی۔ نقابت لئیق انصاری نے کی۔ انہوں نے سب سے پہلے اراکین ادارہ سے مہمانِ خاص کا تعارف کرایا اور ان کے ادبی کارناموں کو اجاگر کیا۔ اس کے بعد ناشتہ کا دور چلا۔ وقفہ کے بعد نشست کا آغاز ہوا جس کی ابتدا نظر رائے بریلوی کے کلام سے ہوئی۔ بعد ازاں ہدایت اللہ شوقؔ نے اپنے اشعار سنائے، پھر سابق پولس افسر شمس الدین اظہر نے اپنی شاعری کا نمونہ پیش کیا۔ نوجواں شاعر دانش رائے بریلوی نے نئی حسیت سے مزین کلام سنایا۔ پھر ہندی کے شاعر ودیا آنند ادیب نے اشعار کے ذریعہ سماج اور سیاست پر نشتر زنی کی، آخر میں باقر جائسی نے فکر و فلسفہ میں لپٹے اشعار پر مشتمل غزل سنائی۔ لئیق انصاری نے مختصر کلام سنا کر مہمان خاص سے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی گزارش کی۔ ڈاکٹر محمد زاہد نے ضلع رائے بریلی کے قصبات نصیر آباد اور جائس سے اپنے قلبی لگاؤ کا ذکر کیا۔ اردو زبان وادب کے لیے شرکاء کو آگے بڑھنے کا مشورہ دیا اور اپنی دو نظمیں اور دو غزلیں سنا کر حاضرین کے دل جیت لیے۔ پروگرام کے اختتام کے بعد طعام کا انتظام تھا۔ اس شاندار محفل کے انعقاد کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ادارہ کے اراکین اور لئیق انصاری کا شکریہ ادا کیا۔ محفل کا اختتام شام چار بجے ہوا۔

☆**عبدالمجید فیضی (سمبل پور، اڈیشا)**

ایک تازہ غزل ارسال ہے، نیز برآں عرض ہے کہ ڈاکٹر سلیم احمد مدیر سہ ماہی ادبی نشیمن لکھنؤ رباعیات لکھنے والے شعراء حضرات کی رباعیوں کی ایک خصوصی اشاعت اپنے سہ ماہی رسالے کے قریبی شمارے میں شائع کرنے والے ہیں۔ میں نے اپنی چند رباعیات موصوف کو ارسال کر دی ہیں۔ فون پر موصوف سے گفتگو کے دوران فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے آپ زیادہ سے زیادہ شاعروں کی توجہ مبذول کر کے ان سے درخواست کریں کہ اپنی اپنی رباعیات ذیل کے پتے پر ارسال کریں۔ موصوف کا پتہ ہے۔

Dr.Salim Ahmed
Editor,Adbi Nasheman, Urdu Quarterly
544-C/188, Almas Bagh.Hardoi Road
Lucknow-03(U.P)
Mob-8707260591

☆**خادم رسول عینیؔ (کرنول)**

ادبی محاذ کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا سبھی مشمولات پسند آئے، الحمد للہ۔

سید نفیس دسنوی صاحب کا مقالہ ''تبصرہ نگاری کا فن'' حقیقت پر مبنی ہے، میرا بھی تجربہ ہے کہ آج کل کے شعراء تنقید پسند نہیں کرتے۔ ایک صاحب کی فرمائش پر میں نے ان کے مجموعۂ کلام پر تبصرہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے شائع نہیں کیا کیونکہ اس میں ان کے کلام کی پذیرائی کے ساتھ ساتھ میں نے ان کے اشعار میں خامیوں کی بھی نشاندہی کی تھی۔ یعنی اب لوگوں کو توصیف پسند ہے تنقید نہیں۔

سید نفیس دسنوی صاحب نے درست فرمایا ہے ''جب ادب میں مقابلتاً پست قد ادباء وشعراء کو توصیفی سیڑھیوں کے سہارے آسمانِ ادب تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو تبصرہ نگاری کا فن اپنی زبوں حالی پر خود ہی نوحہ خواں نظر آتا ہے''۔

قابلِ مبارک باد ہیں احسن امام احسن جنہوں نے اپنے مقالے ''خوابوں کے جزیرے پر گھومتا شاعر'' میں م.سرور پنڈولوی کی شاعری کی پذیرائی کے ساتھ ساتھ مثبت انداز سے تنقید بھی کی ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر آپ رقم طراز ہیں ''سرور صاحب کی شاعری بڑی عمدہ ہے جس کا اعتراف قاری بھی کرتا ہے مگر کہیں کہیں ہلکی سی چوک نظر آتی ہے۔ اظہر نیر کا افسانچہ ''ڈر'' بہت پسند آیا۔ کورونا کا مثبت اور منفی استعمال لوگوں کا ننے مختلف انداز سے کیا۔ افسانچہ کی کیریکٹر سادھنا نے بھی کورونا کا استعمال دوسروں پر ڈر پھیلانے کے لیے اور اپنے بچاؤ کے لیے کیا۔ اس لئے اظہر نیر صاحب لکھتے ہیں ''اس طرح چھینکنے اور کھانسنے کی اداکاری کرتے ہوئے گھر پہنچ گئی اور کورونا سے خطرناک وائرس سے اپنے آپ کو بچالیا۔ محترمہ رفعت کنیز کی کہانی ''رحم دل شہزادی'' بہت ہی نصیحت آموز ہے۔ آپ نے اپنی کہانی کے ذریعہ جذبۂ ایثار اور بے نفسی کا درس دیا ہے۔ آپ لکھتی ہیں ''اس لیے ضروری ہے کہ اپنی دنیا خوبصورت بنانے کے ساتھ دوسروں کی دنیا کو بھی خوبصورت بنانے کی کوشش کی جایے تب ہی یہ دنیا خوبصورت ہوگی''۔
ڈاکٹر قطب سرشار کا مقالہ ''شعر اقبال کے چند موضوعات و تعبیرات'' بہت پسندیدہ ہے۔ ان کی غزل ''شجر ملول، ہوائیں خجل فضائیں نڈھال'' بھی بہت پسند آئی۔

سید اسلم صدا آمری کی غزل بھی خوب ہے، لیکن انہوں نے لفظ شمع اور ٹھہر کو درست وزن پر استعمال نہیں کیا ''شمع اور ٹھہر'' دونوں کا درست وزن ہے ''فاع'' ہے۔

منظومات کے سارے حصے پسند آئے۔ خاص طور پر عبدالمجید فیضی سمبلپوری کی غزل ''میں سجدہ ریز حضرتِ داور میں آگیا''۔ سلیم انصاری کی غزل ''سراب اک خواب اندر خواب کا ہے''۔ نلنی وبھا نازلی کی غزل ''اک چراغاں رات بھر پانی پہ ہے''۔ محبوب خاں اصغر کی غزل ''میں معمہ نہیں سمٹی ہوئی پہنائی ہوں'' بہت معیاری اور قابل تحسین ہے۔ میرا مقالہ ''علامہ قدسی کی تقدیسی شاعری'' شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔

☆صادق علی انصاری (سیتاپور یوپی)

ایک طویل عرصے سے ''ادبی محاذ'' مطالعہ میں رہا ہے۔ اس میں شائع مواد نثری ہو یا منظوم، قاری کی فہم اور معیار کے عین مطابق ہوتا ہے۔۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ادبی محاذ ترقی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہے۔

جولائی تا ستمبر ۲۰۲۲ء کے شمارے میں ترجمہ نگاری کے فن سے متعلق مدیرِ رسالہ جناب سید نفیس دسنوی کا مضمون عمدہ اور معیاری ہے۔ لفظی ترجمہ جو اصل متن کے نیچے لکھا جاتا ہے وہ سمجھ میں اچھی طرح نہیں آتا ہے۔ اگر ایک مکمل پیراگراف کا ترجمہ مفہوم کی طرح لکھا جایے تو ایک عام قاری اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

اکتوبر تا دسمبر ۲۲ء کے شمارے میں شامل گوشۂ عزیز خاں عزیز لائقِ تحسین ہے۔ اسی طرح محاذِ ثانی کے تحت مضمون ''تحقیق کیا ہے'' بھی بہت اچھا لگا۔ ریسرچ اسکالرس اس مضمون سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جنوری تا مارچ کے شمارے میں شامل ''تبصرہ نگاری کا فن'' بھی اس موضوع پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔ تبصرہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ کسی بھی تصنیف پر اظہارِ خیال ایمانداری اور دیانت داری سے اس طرح کرے کہ اس میں بیجا طرف داری کا شائبہ نہ ہو۔ اس قسم کے تبصرے سے تبصرہ نگار کی فنی صلاحیت بھی واضح ہوتی ہے۔ آخر میں یہی کہوں گا کہ اردو کے مرکزِ ثقل سے دوری کے باوجود کٹک سے اس طرح کا معیاری رسالہ پابندی سے شائع کرنا بہر طور لائق ستائش ہے۔

☆سعید الحسن خان گہر خیرآبادی (سیتاپور یوپی)

آپ کا رسالہ ''ادبی محاذ'' برائے جنوری تا مارچ ۲۰۲۲ء صادق علی انصاری صاحب کے توسط سے باصرہ نواز ہوا۔ اس میں طرحی مشاعرے کے لیے دیے گئے مصرعِ طرح : ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے'' کے مطابق پانچ اشعار پر مشتمل اپنی طرحی غزل پیشِ خدمت ہے۔ شاملِ اشاعت فرما کر شکریہ کا موقع مرحمت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ مصرعِ طرح میں ایک لفظ زنداں کی جگہ معنوی اعتبار سے میں نے صحرا کا استعمال کیا ہے۔

نوٹ۔ یہ مصرع عرشی رامپوری کی غزل کا ہے۔ ان کی یہ غزل ''آج کل'' نئی دہلی بابت اپریل ۱۹۹۲ میں شائع ہوئی تھی۔ پورا شعر اس طرح ہے:

نہ سہی سوسن و سنبل، وہ سہی خار و خسک
ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے

(ادارہ)

☆علیم الدین علیم (گارڈن ریچ کولکاتا)

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ وہاٹس ایپ سے آپ کا مسیج پانے کے بعد ادبی محاذ بابت جولائی تا ستمبر بھی ملا۔ ناچیز کی کتاب ''خیمے کی طرف'' آپ کا گرانقدر تبصرہ بھی نظر نواز ہوا۔ اس شفقت و محبت کے لیے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ عمرِ دراز عطا کرے اور تازہ دم رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے میری یہ بھی دعا ہے کہ رسالے کی ترقی کے لیے ضروری وسائل پیدا کرے۔ زرِ سالانہ چیک کی شکل میں ارسالِ خدمت ہے۔ ملنے کے بعد رسید سے مطلع فرمائیں۔

نوٹ۔ ادبی محاذ کے تعلق سے آپ کے گرانقدر تاثرات کے لیے شکرگزار ہوں۔ چیک مل گیا ہے کرم فرمائی کا شکریہ۔ (سعید رحمانی)

منظومات

عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

نیوکلیروار
Nuclear War

نیوکلیر وار اگر ہوگا تو پھر انجام کار اس کا
ہزاروں نیوکلیر بم ہیں جہاں کے سارے ملکوں میں
جھلس جایے گی دنیا ایٹمی شعلوں کی لپٹوں سے
نباتات اور حیوانات سارے ہوں گے خاکستر
شمالی کوریا اور چین بے نام و نشاں ہوں گے
نہ محفوظ آسٹریلیا' ایشیا کی زمیں ہوگی
نہ کوئی مرثیہ خواں اور نہ ہوگا نوحہ خواں کوئی
دھواں چھا جائے گا ہر خطۂ عالم میں صدیوں تک
زمیں کی سطح پر سورج کی کرنیں بھی نہ آئیں گی
زمانہ نیستی کا گزرے گا یوں گھپ اندھیرے میں
کبھی نہ چاند سورج کی کہیں بھی روشنی ہوگی
بہرسو رفتہ رفتہ برف باری ہورہی ہوگی
ہزاروں سال پہلے گزرا تھا جو ''دورِ برفانی''
زمیں پر ''دہ ہزاری سالہ'' ہوگا دورِ برفانی

یقیناً چند گھنٹوں میں جہاں کا خاتمہ ہوگا
چھڑے کی جنگ تو بے شک سماں ہوگا تباہی کا
کوئی ذی روح بچ پایے گا نہ آفاقِ عالم کا
نشاں تک بھی نہ ہوگا جنگلوں کا گلستانوں کا
سلامت روس ہوگا اور نہ یورپ اور امریکہ
جہاں کا گوشہ گوشہ ہوگا بالآخر تہہ و بالا
قیامت خیز منظر کا نہ ہوگا دیکھنے والا
اندھیرا ہی اندھیرا ہرطرف چھایا ہوا ہوگا
نہ چرخِ نیلی کا منظر نہ صبح و شام کا جلوہ
نہ جاری دہر میں نشو و نما کا سلسلہ ہوگا
فضائے تیرہ و تاریک میں گھر جائے گی دنیا
بچھا ہوگا زمیں پر چار سو برفانی غالیچہ
وہی بے ساختہ فرشِ زمیں پر لوٹ آیے گا
نہ کچھ سطحِ زمیں پر زندگی کا شائبہ ہوگا

علیم صبا نویدی
266,TriplicaneHighRoad
FlatNo-16,2ndFloor.
RiceMandiStreet.chennai-600005

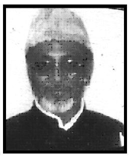

اردو زباں ہماری

آج کیوں لگنے لگی بیمار سی اردو زباں
رہ گئی کیوں ہند میں بیکار سی اردو زباں
آج اسے کیوں توڑنے پہ تل پڑے ہیں بیوقوف
جب کہ ہے ان کے گھروں کی آرسی اردو زباں
اردو جس نے سیکھ لی تینوں زبانیں سیکھ لیں
کیا ہے اردو ہندی' عربی' فارسی اردو زباں
کس زباں نے دی وطن کو ہے صدائے انقلاب
کیوں نہیں بھارت کی پھر معمار سی اردو زباں
کتنے شہہ پاروں' صحیفوں کو جنم اس نے دیا
کیوں نہ پھر مانی گئی شہہ کرسی اردو زباں
چشمِ علا و سخنور کے حق میں یہ گلاب
جاہلوں کو ہے کھٹکتی خار سی اردو زباں
عالموں سے کہہ دو اردو کو نہ دیں مذہب کا رنگ
بالاتر مذہب سے بھی ہے یار سی اردو زباں
جاؤ درگاہوں میں دو آواز آیے گا جواب
ہے نظامی' چشتی' علوی' وارثی اردو زباں
شاخِ گل کو شاخِ گل رہنے بھی دے' کہہ دے صبا
وقت پڑنے پر ہے اک تلوار سی ردو زباں

ڈاکٹر مسعود جعفری
PlotNo-80-29-12-14.SatyaColony
Shiakpet.Hyderabad-500008

دلی کے فسادات کے پس منظر میں

دلی کے قاتلوں کو سزا کس طرح ملے
اس شہرِ بے وفا میں وفا کس طرح ملے
میں ڈھونڈتا ہوں لے کے ہتھیلی پہ اشکِ غم
گمنام میتوں کا پتہ کس طرح ملے

دلی کی مٹیوں میں بہا جب لہو مرا
چرچا بھی خوب ہونے لگا کو بہ کو مرا
وردی پہن کے آ گیا اچھا ہوا مگر
ڈالی کہاں گلاب کی خنجر تو ہے مرا

ہم بھی فرعون کے لشکر سے لڑے ہیں اب تک
ہم بھی تو گرم ہواؤں میں کھڑے ہیں اب تک
ایک لمحہ کے لیے ڈوب نہ پایے ہم لوگ
ہم بھی دریاؤں میں مٹی کے گھڑے ہیں اب تک

خادم رسول عینیؔ
,FlatNo-103.VishnuApartment
BirlaGate.Kurnool-518001(A.P)

مرزا غالب

(یومِ غالب کے موقع پر)

کیف وطرب نشاط کا شاعر کہیں جسے
غالب ہے وہ زبان کا ماہر کہیں جسے
بزمِ تخیلات کا اک بادشاہ ہے وہ
تشبیہہ اس کی ایسی کہ نادر کہیں جسے
دیتا ہے وہ عدم کا پتہ بھی یقیں کے ساتھ
محلِ تصورات کا زائر کہیں جسے
شاہین بھی پہنچ نہ سکے اس کے بام تک
چرخِ تخیلات کا طائر کہیں جسے
آیاتِ صبر پر رہا عامل سدا وہ شخص
ہر حال ہر محاذ میں صابر کہیں جسے
مسحور کر وہ دیتا ہے اپنے کلام سے
اک باکمال شاعرِ ساحر کہیں جسے
دیوان اس کا دیتا ہے عینیؔ ہدایتیں
حق کے مشاہدات کا ناشر کہیں جسے

اظہر نیر
At/P.O:Barhuli.Via:KansiSimri
Darbhanga-847106(Bihar)

دفینہ

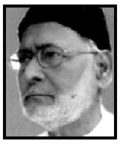

میں ہوں جس کی تلاش میں حیراں
دشت در دشت روز سرگرداں
کرگئے دفن کب کہاں اجداد
میرے اجداد کے دماغوں میں
کون سا راز ایسا پنہاں ہے
جو چھپانے کو یہ اٹھایا قدم
کرگئے دفن کیوں کہاں اس کو
کون سا راز ہے خزانے کا
صیغۂ راز میں ہے جو اب تک
کیا خزانے میں دفن ہیں چیزیں
میں ہوں جس کی تلاش میں حیراں
دشت در دشت روز سرگرداں

عثمان غنی
G.N.SaniaHouse.FlatNo-204
LaxmiNagarColony.Sujathanagar
Post.Visakhapatnam-530051

فکرِ ملت

جو پھول صحنِ خیاباں میں کھِل گیا یارو
وہ شام ڈھلتے ہی مٹی میں مل گیا یارو
کسی کو فکر نہیں حال کیا ہے ملت کا
زمانہ روند کے آگے نکل گیا یارو
تمہارے دم سے تھی رونق ریاضِ ہستی میں
وہ دور ہاتھ سے کیسے نکل گیا یارو
زمانہ ساز تھے آبا تمہارے لیکن آج
تمہارا رنگِ زمانہ بدل گیا یارو
مچا رکھی ہے جو دہشت زمیں پہ مغرب نے
انھیں دھماکوں سے عالم دہل گیا یارو
مرے کلام میں حسنِ کلام مت ڈھونڈو
یہ زرگری نہیں تنقید عام ہے یارو
نہیں جہاں میں وفا کا کہیں بھی نام ونشاں
غنیؔ کو چھوڑ کے ہر شخص مل گیا یارو

ہارون سیٹھ سلیم
GA,GroundFloor.RegencyPlazo
8-HallRoad.Richard'sTown.Bangalore-560005

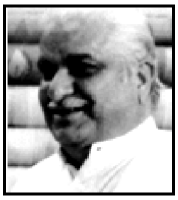

دوہے

جنگل گیا تھا میں لینے' گائے کی سوکھی گھاس
جنگل مجھے وہ اچھا لگا' ہوگیا میں بن باس

سنیاسن یہ کہتی ہے' تو آجا میرے پاس
چھوڑ دے دنیا داری کو لے لے تو سنیاس

پینا تھا سو پی لیا' بجھ گئی من کی پیاس
باقی رہی نہ پینے کی' پیاسے من کو آس

رنج وغم کا دنیا میں کس کو ہے احساس
کسی کو اپنے دین دھرم پہ رہا نہ اب وشواس

پہن کے ابلا ناری نے' اپنا چست لباس
قوم کی عزت کا اس نے کردیا ستیا ناس

میں نے دیکھا میّا کو' رہتی ہے اداس
دن بھر کرتی ہے جھگڑا' ظالم جیسی ساس

اس کے پاس ہے کثرت سے ریشم اور کپاس
پہنوں کیا تہوار میں؟ کچھ نہیں میرے پاس

دال سبزی کھائے سلیمؔ' دوجے کھائے ماس
مانس مچھی کھا کر وہ کرتے ہیں بکواس

تعارفی خاکہ

سعید رحمانی

گوشۂ سید سبحان انجم
ایک تعارف

سید سبحان انجم صاحب کا تعلق مہاراشٹر کے زرخیز خطہ شیگاؤں سے ہے۔سرِ درست کھام گاؤں میں مستقل طور پر مقیم ہیں جہاں کی ادبی فضا شعروادب کی خوشبوؤں سے ہمیشہ معطر رہی ہے۔ایک دوسرا خطہ برار کا ہے جہاں کی خاک پاک سے تعلق رکھنے والے مصطفٰے جمیل،ڈاکٹر محبوب راہی،جوش ادیب،حیدر بیابانی،متین اچلپوری ،عزیز خاں عزیز،ڈاکٹر ایم آئی ساجد،احمد امام،امان الحق،ریاض انور وغیرہم جیسی شخصیتوں نے اردو کے ادبی سرمایہ میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔مذکورہ شخصیتوں نے شاعری کی سبھی اصناف پر تخلیقیت کے گل بوٹے کھلائے ہیں۔

سبحان انجم صاحب کے شعری سفر کا آغاز ۱۹۶۳ء میں ہوا۔انھیں ایک ماہر عروض داں کی منفرد شناخت بھی حاصل ہے۔خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اردو تعلیم صرف چوتھی جماعت تک حاصل کی ہے اور اس کے بعد مراٹھی میڈیم سے تعلیمی سفر طے کیا ہے۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ عروض کا علم کسی استاد سے حاصل نہیں کیا۔فنِ عروض سے فطری لگاؤ کے سبب انہوں نے از خود علمِ عروض سیکھا اور اس پر قدرت بھی حاصل کی۔اس موضوع پر ان کی ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے جس کا نام ہے''ابتدائی علمِ عروض''۔علم عروض پر ان کی مہارت کا اعتراف مختلف اہلِ ادب کر چکے ہیں۔شعروشاعری اور علم عروض پر ان کی جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

ابتدائی علم عروض(۱۹۷۰ء) شعروتقطیع کا چارٹ(۱۹۷۸ء)سید سبحان انجم کا منتخب کلام(اردو ۲۰۱۶ء اور ہندی ۲۰۱۷ء)شاعری کا فن (ہندی ۲۰۱۹ء اور اردو میں ۲۰۲۰ء)ثوابوں کے تحفے (منی نظمیں ۲۰۲۰ء) گونگے تارے(شعری مجموعہ ۲۰۲۲ء)'دھویں کے پتلے (قطعات ۱۹۷۸)'صبحِ برار(شعری مجموعہ ۲۰۱۶)اور ذکر گل (شعرائے شیگاؤں کا تذکرہ ۱۹۱۸)۔

زیر ترتیب کتابوں کے نام ہیں قواعد تقطیع 'رباعی شناسی'اوزان کے اعتبار سے مختلف شعرا کے منتخب اشعار''ادبی فائل''(صراحتیں)اور ادبی خطوط وغیرہ۔

خوابوں کے تحفے میں منی نظمیں شامل ہیں جن میں مسائلِ حیات کی عکاسی کے علاوہ خالق کائنات پر مکمل یقین،اخلاقیات،اخوت محبت اور عزم وحوصلہ جیسے موضوعات کو بڑے سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔کتاب''شاعری کا فن'' میں اوزان و بحور کی تقطیع مع مثال پیش کی گئی ہے۔

''گونگے تارے''غزلیہ مجموعہ ہے جسے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا۔یہ غزلیں جدید لب ولہجہ میں عصری حالات کی آئینہ دار ہیں۔ان میں جذب وکیف کے علاوہ زندگی کو درپیش مسائل ، سیاسی ، سماجی اور اخلاقی قدروں کی ترجمانی بھی ہوئی ہے۔یہ سبھی غزلیں آج کے معاشرے کی سچی تصویر پیش کرتی ہیں ۔اظہارِ بیان میں انہوں نے مصلحت پسندی کی بجائے بیباکانہ اظہارِ خیال کو ترجیح دی ہے۔

موصوف کی فنی ، ادبی وشعری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے والوں میں نذیر فتح پوری ،منظور ندیم ، احمد کلیم فیض پوری اور محمد علیم اسماعیل جیسی نامور ادبی شخصیتیں شامل ہیں۔

آخر میں مختلف اصناف سخن پر موصوف کے فنی نمونے بطور مثال پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں،ایک شعر کی تقطیع دیکھیں۔

اک تیری تمنا نے کچھ ایسا نوازا ہے
مانگی ہی نہیں جاتی اب کوئی دعا ہم سے

مف عول ۱۲۳	مفا عی لن ۲۲۲۳	مف عول ۱۲۳	مفا عی لن ۲۲۲۳
مف عول	مفا عی لن	مف عول	مفا عی لن
مف عول اک تیری مانگی ہی	مفا عی لن تمنا نے نہیں جاتی	مف عول کچھ ایسا اب کوئی	مفا عی لن نوازا ہے دعا ہم سے

چند غزلیہ اشعار پیش ہیں۔

انجم کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔اپنوں میں وہ پہلی سی محبت نہیں ملتی یہ حکومت بھی کوئی ٹھیک نہیں۔آج کہتے ہیں میرے ہمسایے

رہ گزر چھین لی، آنکھوں سے اجالے چھینے

خودغرض ہاتھوں نے ہاتھوں کو چھڑانا چاہا

ایک منی نظم ملاحظہ فرمائیں۔جس کا عنوان ہے ''فضل و کرم''

خدا کی دنیا
خدا کا سب کچھ
وہی ہے خالق
وہی ہے مالک
وہی تو معبود ہے ہمارا
وہی رحیم و کریم آقا
اسی کی مرضی سے جی رہے ہیں
اسی کا فضل و کرم ہے ہم پر

مختصر یہ کہ سید سبحان انجم صاحب ایک محقق، ماہر عروض داں اور کہنہ مشق شاعر کی حیثیت سے مستحکم شناخت رکھتے ہیں۔ایک جہاں دیدہ شاعر کی حیثیت سے وہ اپنے اردگرد رونما ہونے والے واقعات و سانحات کو بڑے سلیقے سے شعری جامہ عطا کر کے اپنی ہنرمندی کا ثبوت دینے کے علاوہ اردو کے ادبی سرمایے میں اضافہ کررہے ہیں۔ہماری نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔☆☆☆

(نکیلا تکون کا بقیہ)

کو برتر تصور کرتے ہیں اور اعتراف بھی نہیں کرتے کہ سبحان انجم نے ان کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ایسے ہی خودساختہ کامل و فاضل حضرات سے تنگ آ کر ان کی اپنے ڈھنگ سے سجائی ہوئی محفلوں سے کتراتا ہے اور ان سے بچتا رہتا ہے۔وہ سبحان انجم جوان کی ادبی قابلیت کا معمار اول ہے۔یہاں مجھ پر طرف داری کا الزام آ سکتا ہے کیونکہ وہ میرا داماد ہے، لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے اور اس کو جھٹلانے والا ذی ہوش نہیں کرسکتا۔یہی ہے مثلث کے وہ تین خطوط جن میں مقید ہے سبحان انجم کی وہ شخصیت جو چھوٹوں کے لیے مثالی، ہم عمروں کے لیے تقلید کے قابل اور بزرگوں کے لیے اطمنان بخش ہے۔میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ باعزم و باایمان انسان اپنی زندگی میں کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆

(عروضی سبحان انجم صاحب کی شخصیت اور ادبی خدمات کا بقیہ:)

(۳) سید سبحان انجم کا منتخب کلام.....اردو(۲۰۱۶ء) ہندی(۲۰۱۷ء)

(۴) شاعری کا فن.....ہندی(۲۰۰۰) اردو(۲۰۱۹ء) اردو(۲۰۲۰ء)

(۵) ثوابوں کے تحفے (منی نظمیں) پہلی اشاعت ۲۰۲۰ء

(۶) گونگے تارے (شعری مجموعہ) ۲۰۲۲ء

زیرِ ترتیب:

(۱) دھویں کے پتلے (عظیم انجم کے قطعات) ۱۹۷۸ء

(۲) صبحِ برار (عظیم انجم کا شعری مجموعہ) ۲۰۱۶ء

(۳) ذکرِ گل (شعرائے شیگاؤں) ۲۰۱۸ء (دوستوں کے تعاون سے)

غیر مطبوعہ::

(۱) قواعد تقطیع........(۳) رباعی شناسی

(۲) اوزان کی مناسبت سے مختلف شعراء کے منتخب اشعار

(۳) ادبی فائل (صراحتیں) وادبی خطوط وغیرہ

نومبر ۲۰۱۹ء کے ماہنامہ ''شاعر'' میں آپ کی کتاب 'شاعری کا فن'' کا تعارف پیش کرتے ہوئے مبصر نے لکھا تھا ''شاعری اور فنِ عروض پر بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں جیسے ''رازِ عروض'' (سیماب اکبرآبادی) ''تفہیم عروض'' (احسان دانش) ''لسانِ عروض'' (منظر صدیقی) آج کی شاعری اور عروض پر آسان زبان میں کسی کتاب کی اشد ضروری تھی اور اس کمی کو برار کے ماہر عروض سید سبحان انجم نے پورا کر دکھایا۔اور ماہر عروضیوں نجم الغنی، میر شمس الدین فقیر، محقق طوسی، اخلاق دہلوی، عشرت لکھنوی، علامہ سحر عشق آبادی، ڈاکٹر گیان چند جین، کمال احمد صدیقی، شمس الرحمٰن فاروقی، زار علامی، ذاکر عثمانی، عنوان چشتی، رام پرساد شرما مہرشی اور ودربھ کے پروفیسر حبیب الرحمٰن صدیقی اور شارق جمال کے ساتھ اپنے دستخط بھی ثبت کردیے ہیں۔کتاب کا نام ہے ''شاعری کا فن''۔

خیر! مجموعہ ''ثوابوں کے تحفے'' جہاں مغربی شعری مظہر (آزاد نظموں) پر مشتمل ہے وہیں یونانیہ (نظم معریٰ) سے بھی مزین ہے۔جہاں تک میرا خیال ہے، نظم کی اقسام پہ مشتمل یہ ہمارے ضلع کا اولین شعری مجموعہ ہے۔یہ مجموعہ انجم صاحب کی شاعرانہ پہچان کو مزید معتبر اور مستحکم بناتا ہے۔اس میں مسائلِ حیات کی آئینہ بندی بھی ہے اور کرب واداسی کی جھلک کے ساتھ عزم و حوصلہ کی جولانیاں بھی۔خالق کائنات پر کامل یقین، عمل کی شاہراہوں پہ پر اعتماد قدم اٹھانے کی ترغیب، اخلاقیات کی عظمت اور اخوت و محبت کی مشعل جلایے رکھنے کا درس بھی موجود ہے۔اس احساس کے ساتھ کہ کافی کوشش کے باوجود میں اپنے عنوان کا حق ادا نہیں کرسکا۔اجازت چاہتا ہوں.............خدا حافظ.......

خاکسار: حولدار سلیم الدین عامر

(سپروائزر، انجمن اردو ہائی اسکول و جونیر کالج، شیگاؤں)

فن و شخصیت

سید سبحان انجم

اپنے بارے میں

شیگاؤں کا رہنے والا ہوں ۔۲/مارچ ۱۹۴۶ء کو پیدائش ہوئی ۔

سرٹیفیکٹ پر سید سبحان سید احمد (سروس میں (S.A.Syed Draftsman) اور ادبی دنیا میں سید سبحان انجم ابنِ احمد اور انجم عروضی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہوں ۔

صرف اردو کی چوتھی پاس ہوں ۔مراٹھی میڈیم سے میٹرک کے بعد ملازمت کے دوران سول ڈرافٹس مین کا ڈپلوما حاصل کیا ۔محکمۂ آب پاشی میں ٹریسر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی اور ڈرافٹس مین کے عہدے تک پہنچ کر ۳۲ سالہ سروس کے بعد رضا کارانہ طور پر ۱۹۹۶ء میں مستعفی ہوا ہوں ۔

۱۹۶۳ء میں ہندی گیتوں سے شاعری کی شروعات ہوئی مگر کھام گاؤں (۱۹۶۵ء) میں ملازمت کے دوران میرے روم پارٹنر عصمت اللہ نادم میسوری اور شبیر خاں طالبؔ ناگپوری کی صحبتوں میں اردو کی طرف پھر سے دھیان گیا ۔گویا مستان چوک مسجد کھام گاؤں کے حجرے سے میری ادبی زندگی کا آغاز ہوا ۔

اپنے مزاج اور نفس نے ادبی دنیا میں کسی کا ہونے نہ دیا ۔فارسی کی ابتدائی تعلیم کے حصول کے لیے حضرت حفیظ اللہ خاں صاحب بدرؔ کو تکلیف دی اور ابتدائی دور میں عظیم انجم شیگانوی سے شعری مشورے حاصل کیئے ۔(حضرت بدرؔ ۱۹۹۴ء میں اور جناب عظیم انجم ۱۹۹۷ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے)

شیگاؤں اور اکولہ کے قیام کے دوران ۱۹۷۵ء میں ''گھروندے'' (۳۲ غزلیں) اور اس کے بعد ''سرمایہ'' (دیوناگری رسم الخط میں) منتخب اشعار کا گلدستہ شائع کیا ،مگر یہ دونوں کتابیں احباب تک محدود رہیں ۔

علم عروض باقاعدہ کسی سے نہیں سیکھا ۔اس وقت جتنی کتابیں دستیاب ہوئیں انہیں سے یہ علم حاصل کیا باقی خدا کی مہربانی اور اس کی دین ہے ۔جو کچھ سیکھا ہے ۱۹۷۰ء میں ''ابتدائی علم عروض'' کی شکل میں دوسروں تک پہنچایا ۔یہ کتابچہ ملک بھر میں پھیلا اور میری شناخت کا سبب بھی بنا ۔اس کتابچہ کو پونہ یونیورسٹی نے ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۷ء تک ڈی ایڈ کے مراسلاتی نصاب میں شامل کر لیا گیا تھا ۔

شعر اور تقطیع کا چارٹ ۱۹۷۸ء میں دو بار چھپا اور اسکولی بچوں کے کام آ گیا ۔

''ابتدائی علم عروض'' کی توسیع کر کے ہندی رسم الخط میں ''شاعری کا فن'' کے نام سے ۲۰۰۰ء میں ایک کتاب شائع کر چکا ہوں ۔

خدا کے فضل سے اردو لٹریری ایسوسی ایشن ،اردو اشاعتی مرکز ،اشاعت گھر ، بچوں کے ادب وغیرہ کا قیام کے علاوہ ۱۹۸۰ء تک دوستوں سے تعلقات پیدا ہوئے اور ادبی خدمات کا موقع نصیب ہوا ۔

فروری ۱۹۸۳ء میں پندرہ روزہ ''امن کا پیغام'' میں سبحان انجم نمبر کے بطور ایک خصوصی شمارہ شائع ہوا تھا جس میں میرے فن اور شخصیت جن حضرات نے مضامین لکھے ہیں میں آج بھی ان کا شکر گذار ہوں ۔

کھام گاؤں سے ملازمت شروع ہوئی او ور یہیں ختم بھی ہوئی ۔گھوم پھر کر میں یہیں کا ہو کر رہ گیا ہوں ۔

یہ ہاتھ ، یہ کاغذ ، یہ قلم اس کا ہے ۔ یہ نورِ تخیل ، یہ رقم اس کا ہے
کیا دیکھوں ،سوچوں ،بولوں اس کے سوا ۔میں کچھ بھی نہیں مجھ پہ کرم اس کا ہے

☆☆☆

سید سبحان انجم صاحب کی چند منظومات

بوڑھی کرنیں

اپنے احساس کی
بوڑھی کرنیں
پہلی فرصت میں جگا دیتی ہیں
پھر کسی کام سے
سورج کی طرح
میں بھی ہر سمت بکھر جاتا ہوں ۔

مسائل کا حل

ڈھونڈ کر
شہر کے
کچھ مسائل کا حل
مطمئن تھا بہت
مگر راہ میں
ایک بچے کی فریاد سے
مجھے اپنے گھر کا خیال آ گیا

مسائل کا حل

ڈھونڈ کر
شہر کے
کچھ مسائل کا حل
مطمئن تھا بہت
مگر راہ میں
ایک بچے کی فریاد سے
مجھے اپنے گھر کا خیال آ گیا

بوڑھی کرنیں

اپنے احساس کی
بوڑھی کرنیں
پہلی فرصت میں جگا دیتی ہیں
پھر کسی کام سے
سورج کی طرح
میں بھی ہر سمت بکھر جاتا ہوں ۔

حولدار سلیم الدین عامؔر
سپروائزر انجمن اردو ہائی اسکول و جونیئر کالج، شیگاؤں

تعارف

عروضی سید سبحان انجم صاحب کی شخصیت اور ادبی خدمات
(مشاہیر ادب کی نظر میں)

عزت مآب سید سبحان انجم صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔

آپ کا آبائی وطن ریاست مہاراشٹر کے معروف شہر شیگاؤں ہے، جسے لوگ عقیدت سے سنت نگری بھی کہتے ہیں۔ایک عرصے سے آپ کھام گاؤں میں مقیم ہیں۔آپ نے اردو سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد مراٹھی میڈیم سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور محکمہ آبپاشی میں ٹریسر (نقشہ نویس) کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ڈرافٹس مین کے عہدے تک پہنچ کر ۳۲ سالہ ملازمت کے بعد ۱۹۹۶ء میں رضا کارانہ طور پر مستعفی ہوئے۔تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۹۶۳ء میں آپ کی شاعری کا آغاز ہندی گیتوں سے ہوا۔۱۹۷۵ء میں ۳۲ غزلوں کا گلدستہ ''گھروندے'' کے نام سے منظر عام پر آیا اور پھر دیوناگری لپی میں ''سرمایہ'' کے نام سے منتخب اشعار کا گلدستہ شائع کیا۔ موصوف اپنے بارے میں فرماتے ہیں ''علم عروض باقاعدہ کسی سے نہیں سیکھا، اس وقت جتنی کتابیں دستیاب ہوئیں انہیں سے یہ علم حاصل کیا باقی اللہ کی مہربانی اور اس کی دین ہے۔'' (بحوالہ سید سبحان انجم کا منتخب کلام سن اشاعت ۲۰۱۶ء)

۱۹۷۰ء میں ''ابتدائی علم عروض'' کے نام سے آپ نے ایک کتاب شائع کی جو ملک بھر میں پھیلی اور آپ کی شناخت کا سبب بنی۔اس کتاب کو پونہ یونیورسٹی نے ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۷ء تک ڈی۔ایڈ کے فاصلاتی نصاب میں شامل رکھا۔۱۹۷۸ء میں آپ کا ترتیب دیا ہوا شعر و تقطیع کا چارٹ اسکول کے طلبہ کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔

موصوف نے ۲۰۰۰ء میں ابتدائی علم عروض کی توسیع ہندی رسم الخط میں ''شاعری کا فن'' نام سے فرمائی جس سے مسلم و غیر مسلم شعراء نے استفادہ کیا۔آپ کے شاگردوں میں کئی نامور شعراء ہیں۔(مگر آپ انہیں اپنا دوست مانتے ہیں)۔ڈاکٹر ایم آئی۔ساجد صاحب پی۔ایچ۔ڈی کی تھیسس ''ودربھ میں اردو شاعری'' میں ودربھ کی دو جہاں دیدہ شخصیات کے تاثرات کچھ یوں پیش کئے ہیں۔پروفیسر حبیب الرحمٰن صدیقی صاحب، انجم صاحب کی عروض دانی سے متعلق تحریر کرتے ہیں۔''مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی مسرت ہے کہ سید سبحان انجم صاحب نے عروض کا بہت اچھا مطالعہ کیا ہے اور عربی انداز پر اپنی کتاب ''ابتدائی علم عروض'' مرتب کی ہے۔ترتیب بھی بہت مدلل ہے اور وضاحت کے لئے جدولیں بھی پیش کیے ہیں۔یہ کتاب طلبہ کو یاد کرنے میں معاون ہوگی۔

اسی طرح جناب حفیظ اللہ خاں بدرؔ (مرحوم) پرنسپل انجمن جونیر کالج کھام گاؤں لکھتے ہیں۔''آج مجھے مہاراشٹر کے ایک نوجوان عروضی جناب سید سبحان انجم صاحب کا تعارف کرانے میں بڑی خوشی ہورہی ہے۔اس علاقے میں فن عروض کی غالباً یہ پہلی باقاعدہ کوشش ہے۔یہ کوشش اس لیے اور بھی اہم ہو جاتی ہے کہ انجم صاحب کی تمام تر تعلیم مراٹھی کے ذریعہ ہوئی ہے''۔

اردو لٹریری ایسوسی ایشن، اردو اشاعتی مرکز اور اشاعت گھر وغیرہ کے قیام میں آپ کا رول نہایت قابل تعریف رہا۔آپ کی گرانقدر ادبی خدمات کے اعتراف میں فروری ۱۹۸۳ء میں پندرہ روزہ ''امن کا پیغام'' نے سبحان انجم نمبر کے نام سے ایک شمارہ شائع کیا جس میں آپ کی ادبی، سماجی اور ملی خدمات کی ایک بڑی فہرست دی گئی تھی اور اس فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کن کن سماجی، ثقافتی اور ادبی اداروں میں کن عہدوں پر فائز رہ کر قوم و ملت کی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے ۱۹۱۶ء میں آپ کا شعری مجموعہ ''سید سبحان انجم کے منتخب کلام'' شائع ہوا جو غزلیات، رباعیات، قطعات، آزاد منظومات اور متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔۲۰۱۹ء میں ''شاعری کا فن'' منظرِ عام پر آیا جس میں علم عروض کی باریکیوں کو بڑے سلیس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں رباعی گوئی پر سیر حاصل بحث فرمائی جس سے متاثر ہو کر ڈاکٹر حافظ کرناٹکی نے اپنے تاثرات میں لکھا ہے۔''سبحان انجم صاحب نے اپنی اس کتاب میں رباعی کے ارکان و اوزان اور اس صنف میں کیے جانے والے تجربوں کا بھی خوبصورتی اور فنکارانہ ہنرمندی سے ذکر کیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعری کے فن کی ہر شق اور اس کے ہر پہلو سے واقف ہیں''۔

مرحوم عظیم انجم (بھیا) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا ''سبحان'' انجم' کے نام سے پہچانا جاتا ہے جو ایک شاعر، نقاد، عروضی، ادیب اور مفکر ہے۔جس نے عروض جیسے مشکل فن کو اپنایا اور اس پر عبور حاصل کیا۔چند کتابیں لکھیں اور اس حد تک لے گیا کہ موجودہ عہد کے مشاہیر اساتذہ سے تحریری مباحثے کیے ان سے داد و تحسین حاصل کی اور اپنی بات منوائی۔

علاقہ برار کی علم دوست شخصیت ڈاکٹر محمد سعداللہ صاحب کافی عرصہ پہلے لکھے ہوئے اپنے ایک مضمون میں یوں رقم طراز ہیں: ”ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے ادبیات کی ایک نہایت سنگلاخ اور دشوار گزار وادی کو اپنا میدانِ عمل منتخب کر کے دوست دشمن سبھی سے اپنا سکہ منوالیا ہے۔ یہ فن جسے ہم علم عروض کے نام سے جانتے ہیں اور جس کا نام سن کر اچھے اچھوں کو پسینہ آنے لگتا ہے‘ سبحان انجم نے شاعری میں بحور و اوزان کے مطابق برتے جانے والے اس علم کی خدمت کا تہیہ کیا اور اس راہ پر آگے بڑھے۔ انہوں نے علامہ سحر عشق آبادی اور گیان چند جین جیسے ماہرینِ عروض سے مدلل مباحثہ کیا اور اپنی بات ان سے منوائی۔ اب وہ اردو کے صرف شاعر شیریں بیاں ہی نہیں بلکہ عروضی کی حیثیت سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ علم کے ایسے خدمت گزار ہیں جو علم عروض خود سیکھ کر ہی خاموش نہیں رہ جاتے بلکہ دوسروں کو بھی سکھانا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خدمت اردو ادب میں یادگار رہے گی۔

مدیر ”اسباق“ پونہ محترم نذیر فتح پوری صاحب نے پندرہ روزہ ”امن کا پیغام“ میں موصوف کے تعارف میں لکھا تھا۔ ”کھام گاؤں کے علمی‘ ادبی اور اشاعتی کارناموں میں سبحان انجم نے صحت منداور قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ ان کے کلام ملک کے بیشتر اچھے رسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔ میرا اپنا خیال ہے کہ انہوں نے اردو کی توسیع و ترقی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ مستقبل کا مورخ جب بھی کھام گاؤں کی ادبی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ لکھے گا تو اسے سبحان انجم کا نام جلی حرفوں میں لکھنا پڑے گا۔

محترم طاہر پرواز صاحب (کھام گاؤں) کے بقول ”ادب کی خاموش خدمت سبحان انجم کا ہی حق ہے۔ مذہبی مزاج اور مخلص رویہ رکھتے ہیں“۔

ایک اور ادب نواز جناب عبدالحمید خاں غازی بڑے مخلصانہ انداز میں لکھتے ہیں ”نباضِ وقت انجم ایک خوش گلو، خوش کلام شاعر ہی نہیں ایک مخلص انسان بھی ہیں جن سے مستفیض ہونے والوں میں بچے بھی ہیں، جوان بھی اور بوڑھے بھی“۔ ان کے علاوہ سبحان انجم نمبر میں مشاہیر شہر کی آراء، نیک خواہشات اور نزدیک و پاس کے دوستوں کے مضامین بھی تھے۔

میرے استاد محترم الحاج عزیز خاں عزیز اپنے اولین شعری مجموعے ”دھواں دھواں بدن“ کے انتساب میں درج کرتے ہیں ”میرے مخلص دوست و رہنما اردو کے عاشق سید سبحان انجم صاحب کے نام جن کی صحبتوں نے میرے ذوق شاعری کو جلا بخشی جن سے میں نے عروض سیکھا اور سمجھا۔ یاد رہے عزیز صاحب کو سعداللہ صاحب نے عکاسِ عصر اور شاعرِ حیات کے خطابات سے نوازا ہے۔

برار کے نمائندہ معتبر شاعر محترم المقام قدرت ناظم صاحب اپنے خوبصورت اولین شعری مجموعے ”ارتعاش“ میں اپنے مضمون میں لکھتے ہیں ”ایک روز ماہر عروض سید سبحان انجم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے شاعری کے تعلق سے کچھ نہایت ہی قیمتی مشوروں سے نوازا اور ابتدائی علم عروض کی کتاب بھی دی اور اس کو سمجھنے کے لیے آسان طریقہ بھی بتایا جو میرے بہت کام آیا“۔

۲۰۱۹ء میں شائع کردہ اپنے اولین شعری مجموعے ”نورِ افکار“ میں راقم خود بھی اس بات کا اعتراف بڑی خوش دلی سے کر چکا ہے کہ سید سبحان انجم اور عزیز خاں عزیز صاحب نے میرے کلام کی اصلاح کے دوران لفظیات کو برتنے کے بہت سے گر بتائے جس کے بعد میرا کلام قدرے مؤثر اور صاف ہونے لگا۔ اسی طرح کلام میں اثر آفرینی اور موزونیت پیدا کرنے کے سلسلہ میں استاد محترم الحاج عزیز خاں صاحب اور جہانِ ادب کی معروف شخصیت ماہر علم عروض محترم سید سبحان انجم صاحب کی گرانقدر رہنمائی میرے ادبی سفر میں معاون رہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان دونوں ہی حضرات کی عمر میں خوب برکت عطا فرمایے اور تا عمر ان حضرات پر کرم فرماتا رہے۔ آمین

انجم صاحب کا کلام آکاش وانی سے ریلے ہوا اور اکثر بیشتر مستند ادبی رسائل میں چھپا اور ہنوز چھپتا ہی رہتا ہے۔ مرحوم ڈاکٹر غلام کبریا خاں شبلی صاحب نے موصوف کے تعلق سے اپنے ایک آرٹکل میں بڑی پیاری بات کہی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا ”اردو کی اسکولی تعلیم میں کمی کے باوجود انجم کا موجودہ مقام تک پہنچنا قابل تحسین ہے اور ان کے ”گرم دم جستجو“ ہونے کا ثبوت ہے۔ شبلی صاحب نے مزید کہا تھا کہ ”اردو الفاظ کے صحیح تلفظ اور عروض کے تعلق سے سبحان انجم ایک معتبر نام ہے“۔

محمد نجم اللہ صاحب آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں ”انجم نے کئی مرتبہ یہ کوشش کی ہے کہ اردو ادب اور اس کے پہلوؤں پر خود بھی کام کریں اور دوسروں کی بھی حوصلہ افزائی کی جایے، تاکہ اس علاقے میں وہ فضا بنے جو یوپی کے بعض مقامات پر پائی جاتی ہے۔ آپ کی بڑی کوشش رہی کہ اردو پریس ہو۔ کاتب تیار ہوں، کتابچے شائع ہوں، خاص طور پر بچوں کے ادب پر نئی تخلیقات میدان میں آئیں اور اس علاقے میں اردو صحافت کا عروج ہو“۔

چار سال قبل فروری ۲۰۱۶ء میں موصوف نے شاعر شباب محترم عظیم انجم عرف بھیا مرحوم کا شعری مجموعہ ”صبحِ برار“ شائع کیا۔ اپنے شہر کے ایک بزرگ شاعر مرحوم اظہر شیگانوی کے منتشر کلام یکجا کر کے مرحوم کے رشتہ داروں کے حوالے کیا تاکہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ اسی طرح شعرائے شیگاؤں کے نمونہ کلام پر ایک شعری مجموعہ ”ذکرِ گل“ کے عنوان سے ۲۰۱۸ء میں ترتیب دے کر منظر عام پر لایا۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیگاؤں کے ایک محقق اور مخلص ادیب الحاج ڈاکٹر انوار احمد خاں نے لکھا تھا: ”سبحان انجم ماہر عروض ہونے کے علاوہ جدید اور جدید تر شاعری کے مالک بھی ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں شیگاؤں کے تقریباً سبھی شعراء کا کلام ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب شیگاؤں کی شعری تاریخ کا ایک مرقع ہے اور ایک ادبی دستاویز بھی۔ اس میں شیگاؤں کے قدیم شعراء سے آج تک کے شعراء کے کلام کے ایسے نمونے قارئین کے سامنے پیش کیے ہیں کہ ہر شاعر کا شعری مزاج و رجحان کم و بیش سمجھ میں آجاتا ہے اور اسی کے ساتھ شیگاؤں

میں فنِ شاعری کا عہد بہ عہد ارتقائی سفر بھی اجاگر ہوتا ہے"۔

مرحوم جاوید اقبال صاحب جو کہ سید صاحب کے ہم عصر ساتھی رہے ہیں لکھتے ہیں، "انجم کو اردو زبان وادب سے والہانہ لگاؤ ہے، اور اس زبان کے تحفظ، ترقی وفروغ ان کا نصب العین ہے۔ وہ خاموش اور پرسکون رہ کر ادب عالیہ کی خدمت میں مصروف اور مشغول ہیں۔ انجم ایک باعمل انسان ہیں۔ جمود سے ان کو خدا واسطے کا بیر ہے ۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ جہد مسلسل ان کے خونِ جگر کا لازمی جزو ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی سرگرمیوں میں نہ جانے کتنے لوگوں کا ساتھ دیا اور کتنے لوگوں کا ساتھ لیا۔"

عظیم المرتبت ڈاکٹر غیاث الرحمٰن صاحب اپنی مشہور زمانہ تحقیقی دستاویز "برار میں اردو زبان وادب کا ارتقا" میں انجم صاحب کی شخصیت اور آپ کے ادب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "انجم جدید رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ مراٹھی میڈیم سے تعلیم اور اردو کے ادبی ماحول کے فقدان کے باوجود انجم کی ادبی وشعری کاوشیں قابلِ ستائش ہیں۔ ان کا کلام قطعات، نظم معریٰ اور غزلیات پر مشتمل ہے۔ ان کی شاعری حالاتِ حاضرہ کے پس منظر میں ایک عام انسان کے جذبہ کی ترجمانی ہے۔ زبان نہایت معیاری، اشعار صاف اور خیالات پاکیزہ ہیں۔"

اردو عروض میں مجتہد کا مقام رکھنے والے حضرت ذاکر عثمانی (مرحوم) نے اپنی کتاب "عروضِ خلیلِ مکتفی" انجم صاحب کو نذر کرتے ہوئے جو ریمارک دیا تھا وہ سبحان انجم صاحب کا مختصر اور جامع تعارف کہلائے گا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"بشرف ملاحظہ، محترم سبحان انجم ماہر عروض، خوش فکر، سخن گو۔ سخن فہم ادب پرست کے لیے"۔

آپ کا نیاز مند
ذاکر عثمانی

"ضیاء زخمی کلام کے آئینہ میں" عنوان کے تحت پروفیسر عزیز اندوری (صدر شعبہ اُردو اسلامیہ کالج اندور) لکھتے ہیں۔ "خوشی اس بات کی ہے کہ زخمی صاحب کی سر پرستی کی ذمہ داری سبحان انجم صاحب جیسے ماہرِ فن نے لی اور انہیں ان کے ذوقِ شعر وسخن کی صحیح طور پر تکمیل کے لئے فن عروض کے باریک ترین نکات سے واقف کرایا ہے۔ اس کا ثبوت ضیاء زخمی کے کلام سے ملتا ہے جس میں فنی لوازمات اور عروضی خوبیاں نظر آتی ہیں ۔ اس کے علاوہ مجموعہ کلام "زخموں کے چراغ" میں مرحوم ضیاء زخمی صاحب نے اپنے دوست سبحان انجم کو نقادِ برار کے خطاب سے نوازا تھا۔

کھام گاؤں اور قریب کے ہم عصر شاعروں کے علاوہ نئی نسل کے کئی شعراء سبحان انجم سے کسی نہ کسی حد تک مستفید ہوئے ہیں۔ یہ اور بات کہ کسی نے کھل کر اعتراف کیا اور کسی نے فراموش کر دیا۔ لیکن انجم آج بھی خاموش ادبی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے، یہی ان کے مزاج کی خوبی ہے۔

"دبستانِ برار" میں مکرمی فیروز خاں ندوی صاحب نے لکھا ہے "شعرائے برار میں راقم کو خاص تعلق جس شاعر سے رہا، وہ اس وقت بڑی شدت سے یاد آ رہا ہے، وہ ہے ماہرِ عروض واستاد شاعر سبحان انجم۔ شرافت کا معیار نہ اعلیٰ شان کی کوٹھیاں اور نہ عظیم الشان عہدے اور نہ مال ودولت کی فراوانی بلکہ شرافت انسان کی اصل بنیاد نیک نامی تہذیب وشائستگی ہے۔ ان کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے۔ انہوں نے ایک استاد شاعر اور باوجود ماہر عروض ہونے کے کبھی بھی شہرت وناموری کی طرف نہیں دیکھا۔ جانے قادرِ مطلق نے کس خمیر سے بنایا ہے کہ ان کی ذات میں اپنے آپ کو معروف کرنے یا کرانے کا جذبہ ہی نہیں پایا جاتا۔ انہوں نے دوران ملازمت اور پھر بحیثیت استاد شاعر کبھی بھی تواضع کا دامن نہیں چھوڑا، گویا کہ تواضع وانکساری ان کی شخصیت کی شناخت ہے۔

نقادِ ذی وقار الحاج فصیح اللہ نقیب صاحب کے کلام پر رایے دیتے ہوئے فرماتے ہیں "میں پیدائشی شعراء پر غور کرنے لگا تھا۔ میر وسودا کے آستانے سے ہوتا ہوا طائرِ خیال غالب ومومن کے آشیانے تک پہنچا، وہاں سے اتر کر اقبال کے کاشانے پر اترا کہ معاً دلاورفگار نے اسے ہشکار کے یہ کہتے ہوئے کہیں اڑا دیا۔

کتنے غالب تھے کہ پیدا ہوئے اور مر بھی گئے۔ قدر دانوں کو تخلص کی خبر ہونے تک
کتنے شبیر حسن خان بنے جوش کبھی ۔ مر گئے کتنے سکندر بھی جگر ہونے تک

جگر سوختہ سکندروں کو موت سے ہم کنار کرنے، شبیروں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے اور غالبوں کو تخلص سمیت دفنا دینے والی ذہن پر طاری قنوطیت مجھے سبحان انجم کے درِ دولت پر لے آئی۔ کون سبحان انجم؟.........

ایک ایسے شاعر کہ جو کئی شعراء کی تربیت کا ذریعہ بنے، تاہم وہ مقام نہ پا سکے جس کے وہ مستحق تھے۔ ایک ایسی شخصیت جنہوں نے ہندی چھند والوں کو علم عروض کے نکات سے روشناس کر دیا، جنہوں نے اردو کے مبتدیوں کی عروض کی باریکیوں تک رہنمائی کی۔ مگر کچھ بن جانے کے بعد ان میں سے اکثر ہم سری کے دعوے دار ہوئے۔☆☆

کون سبحان انجم؟.........ایک مکمل کڑھی ہوئی شخصیت کے مالک، جنہوں نے ہمیشہ دیگر لوگوں کی صلاحیتوں کو نکھارنے سنوارنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں لیکن کبھی بھی اپنی اہمیت منوانے پر اصرار نہ کیا۔ سادات گھرانے سے تعلق کے طفیل شرافت، کم گوئی، کم آمیزی، نرم گفتاری، انکسار وتواضع شخصیت میں ایسے جاگزیں ہیں جیسے گل میں نکہت، جیسے شہد میں حلاوت۔

موصوف کو بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کا ادراک ہے شاید اسی لیے فرماتے ہیں

لگ جائیں اگر ہاتھ تو فرحت ہی ملے گی۔ فہرست میں نایاب کتابوں کی طرح ہیں

تا دم تحریر (اگست ۲۰۲۰ء تک) سبحان انجم کی خاص خاص کتابیں حسب ذیل ہیں:

مطبوعہ: (۱) ابتدائی علم عروض (۱۹۷۰ء) اب نایاب (۲) شعرو تقطیع کا چارٹ (۱۹۷۸ء) اب نایاب۔ ۱۱راگست ۲۰۲۰ء

(بقیہ صفحہ 16 پر)

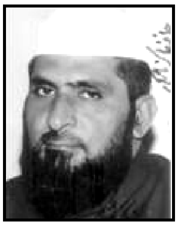

ڈاکٹر حافظ کرناٹکی
Jaynagar.1stCross.
Shkaripur.Dist:Shimoga
Karnataka-577427
Mob-9900832077

ماہر عروض داں: سید سبحان انجم

یہ بات اردو شاعری کے حوالے سے اکثر کہی جاتی رہی ہے کہ شاعروں کا عروض داں ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ فنِ شاعری پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں ان کی شاعری عمدہ اور خوبصورت نہیں ہوتی ہے۔لیکن یہاں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اچھا شاعر بھی وہی ہوتا ہے جو فنِ عروض کی باریکیوں سے واقف ہوتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ یہ بات کسی حد تک درست ہو کہ شاعر تلمیذ الرحمٰن ہوتا ہے تو کیا تلمیذ الرحمٰن کے لیے یہ ضروری نہیں ہے وہ جس فن کی وادی میں قدم رکھے اس کے تمام رموز سے واقفیت حاصل کرلے۔سید سبحان انجم صاحب نہ صرف ایک عمدہ شاعر ہیں بلکہ وہ فنِ شاعری کی باریکیوں سے بھی واقف ہیں۔ان کی کتاب ''شاعری کا فن'' ان کی مہارت اور عروض پر ان کی گرفت کی دلیل ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کالجوں اور اسکولوں میں اساتذہ بھی بچوں کو عروض کی مبادیات نہیں سکھا پاتے ہیں۔کیوں کہ وہ خود اس فن سے نابلد ہوتے ہیں۔لوگوں نے یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ شاعری کے فن کی باریکیوں،عروض ،فصاحت،بلاغت اور ارکان و تقطیع اشعار ایک مشکل عمل ہے۔یہی وجہ ہے کہ بیشتر لوگ اس طرف دھیان نہیں دیتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح کنی کاٹ کر نکل جاتے ہیں۔اس صورت حال میں سبحان انجم کی کتاب ''شاعری کا فن'' کو ہوا کے تازہ جھونکے کے طور پر دیکھنا مناسب ہوگا۔انجم صاحب نے نہایت سادہ اور آسان انداز میں شاعری کی فنی نزاکتوں اور باریکیوں سے اس کتاب میں اپنے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔اور بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ عروض کسے کہتے ہیں،اس کے جاننے کا فائدہ کیا ہے۔اور یہ بھی بتایا کہ اس کا جاننا مشکل نہیں دلچسپ ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں شعر کی خصوصیت مصرعہ کی تشکیل اور تقطیع شعر کی تمام باریکیوں کو مثالوں کے ذریعہ اس خوبصورتی سے سمجھایا ہے کہ اسکولوں کا طالب علم بھی اگر دل چسپی سے اس کتاب کو پڑھ لے تو وہ تقطیع کے فن سے واقف ہوجائے گا۔اور اچھی طرح جان لے گا کہ عروض،صدر،ضرب،ابتدا ، حشو،وتد،سبب خفیف،سبب ثقیل ،فاصلہ،وتد مجموع،وتد مفروق وغیرہ کیا ہیں اور اسے کس طرح سمجھا اور پہچانا جا سکتا ہے۔انہوں نے نہایت مؤثر انداز میں بحر،وزن،بحر سالم اور سالم ارکان کی تمام تر تفصیل سے واقف کرایا ہے۔ضمنی طور پر ہندی پنگل اور ماتراؤں کا بھی اچھے انداز میں ذکر کیا ہے لطف کی بات یہ بھی ہے کہ ارکان مزاحف لکھ کر ہم وزن الفاظ کی بھی ایک لمبی فہرست ترتیب دے دی ہے،جس سے بچوں کو سمجھنے میں کسی رح کی دشواری نہیں ہوتی ہے،بڑے تو خیر سمجھ ہی لیتے ہیں۔

اگر اس کتاب سے اردو کے اساتذہ فائدہ اٹھانا چاہیں تو وہ اپنے بچوں کو نہ صرف یہ کہ تمام بحروں کے نام،ارکان اور ان کی دیگر خصوصیات سے واقف کرانے میں کامیاب ہوں گے۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بچے ابتدا میں بحروں کے آہنگ،وزن کی خوبیوں اور موزونیت سے واقف ہو جائیں گے تو بہت ممکن ہے کہ وہ موزونیت طبع سے کام لیتے ہوئے تک بندی کرتے ہوئے شاعری کی وادی میں داخل ہوجائیں گے اور اپنے تخلیقی وفور و شعور کا ایسا ثبوت پیش کریں گے کہ یہ خیال ہی غلط ہوجائے کہ عروض ایک بہت مشکل فن ہے۔

ایک زمانے تک رباعی کو بھی مشکل فن قرار دیتے تھے۔جب میں نے رباعی گوئی کی طرف توجہ کی اور اس کے ارکان و اوزان کو اپنے اندر اتارنے کی سعی کی تو پھر ایسا محسوس ہونے لگا گویا سب سے دل چسپ صنف رباعی گوئی ہی ہے۔اگر اسی طرح بچوں نے،اساتذہ نے،ادب سے پیار کرنے والوں نے فنِ عروض اور فنِ شاعری کو اپنے مطالعے کا حصہ بنالیا تو کوئی مشکل نہیں ہے کہ ایک دن لوگ فنِ عروض کو ایک دل چسپ کھیل کے طور پر اپنالیں۔اور شعروں کی تقطیع،تشریح،تنقید و تعقید وغیرہ کو اپنی روزمرہ گفتگو کا حصہ بنا کر پھر سے اس اردو معاشرے کی تشکیل کی طرف قدم بڑھانے میں لگ جائیں۔جب ہر تیسرا آدمی شعر شناس اور ہر پانچواں آدمی عروض داں ہوتا تھا۔سید سبحان انجم صاحب کی اس کتاب کی پذیرائی صرف اس لیے ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے ایک اہم

(بقیہ صفحہ پر)

فن وشخصیت

فصیح اللہ نقیب

سید سبحان انجم: ایک مثالی شاعر

۱۹۷۲ء میں دورانِ ملازمت نجی طور پر اپنے گریجویشن کے امتحان سے گزرتے ہوئے سید سبحان انجم صاحب سے غائبانہ تعارف ''ابتدائی علم عروض'' کے ذریعہ ہوا۔ پھر ۱۹۷۸ء میں ان کے تخلیق کردہ تقطیع کے چارٹ نے گریجویشن اور ڈی ایڈ کے طلبہ کے درمیان ایک زندہ طلسماتی نسخہ کی سی شہرت پائی۔ پونہ یونیورسٹی نے اسے ڈی ایڈ کے فاصلاتی نصاب میں شامل کیا تھا۔ اس میں تقطیع کی تفہیم اس نہج سے کروائی گئی تھی کہ طلبہ اس سوال میں مجموعی طور پر صد فی صد نشانات حاصل کر لیتے تھے۔ اردو اور فارسی ادب کے پرچوں میں اشعار کی تقطیع اور بحور کی شناخت پر مبنی سوال ہوا کرتے تھے۔

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسے شخص کا کارنامہ ہے جس کی تعلیم مراٹھی میڈیم سے ہوئی ہے تو موصوف کے تعلق سے جذبۂ احترام دل میں مستقلاً جاگزیں ہو گیا۔ جب شعری محفلوں میں موصوف سے یکجائی کے مواقع آئے' ملاقاتیں ہوئیں' باتیں ہوئیں اور سننا سنانا ہوا تو پایا کہ گویا ایک نہایت نفیس وشائستہ، منکسر المزاج، جاذبِ نظر، نرم گفتار، کم گو، مرنجان مرنج شخصیت سے مل رہے ہیں۔ شعر جیسے کہتے ہیں باتیں بھی ویسی کرتے ہیں۔ تول تول کر ''نک سک'' سے درست سلجھی ہوئی 'مزاج میں نرمی ہے اور دھیمے لہجے میں بات کرتے ہیں۔ شعر ترنم سے سنائیں یا تحت اللفظ میں، دونوں صورتوں میں کامیاب رہتے ہیں۔

فنِ عروض سے انہیں فطری لگاؤ ہے۔ انہوں نے اس میدان میں جس قدر کامیابی اور سرخروئی حاصل کی ہے وہ ان کی عرق ریزی اور جانکاہی کے طفیل ہے۔ ان کی عروض دانی کی داد اردو کے مستند محققین اور ماہرین عروض نے دی ہے۔ جس شخص کو ''ابتدائی علم عروض'' ہی سے محترم حبیب الرحمٰن صدیقی مرحوم اور محترم حفیظ اللہ خان صاحب بدر مرحوم جیسی معتبر اور مستند شخصیات سے عروض پر مہارت کے توثیق نامے مل چکے ہوں تو اس سلسلے میں مزید کیا کہا جائے (خاطر نشاں رہے کہ حفیظ اللہ خاں بدر مرحوم حضرت حبیب الرحمٰن صدیقی کے شاگرد رشید ہیں)

''شاعری کا فن'' کے عنوان سے اس سلسلے میں اردو نیز ہندی میں شائع شدہ کتاب بھی قابلِ قدر اضافہ ہے۔ ''قواعد تقطیع''، ''رباعی شناسی'' اور ''اوزان کی مناسبت سے مختلف شعراء کے منتخب اشعار'' کی اشاعت ان کے آئندہ پروگرام میں شامل ہے۔

سید سبحان انجم صاحب کا زیر نظر مسودہ بعنوان ''ثوابوں کے تحفے (منی نظموں پر مشتمل) میں ایک سو ایک (۱۰۱) تخلیقات شامل ہیں۔ تمام نظمیں یا تو نظم معریٰ کی ہئیت میں ہیں یا آزاد نظم کے فارم میں۔ برار کے کئی شعرائے کرام نے پابند نظمیں، نظم معریٰ اور آزاد نظم نہایت عمدگی سے کہی ہیں۔ کئی رسائل اور اخبارات میں شائع بھی ہوئی ہیں۔ بیشتر شعری مجموعوں میں ان کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ نظم معریٰ اور آزاد نظم پر مشتمل یہ شعری مجموعہ سید سبحان انجم صاحب کی طرف سے ایک بہتر اضافہ قرار پائے گا۔

نظم معریٰ کے تمام مصرعے ہم وزن ہوتے ہیں مگر قوافی سے عاری۔ اس لیے یہ معریٰ نظم کہلاتی ہے (قافیہ پیمائی کے لیے مصرعے کہے نہیں جاتے، اگر بے ساختگی کے ساتھ چند قوافی بندھ جائے تو ان سے تعرض بھی نہیں کیا جاتا)۔ آزاد نظم بھی کوئی مادر پدر آزاد تھوڑے ہی ہوتی ہے۔ اس میں بھی کسی مخصوص وزن کو چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں مخصوص رِدّم کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ انصاف بھی وہی شعرائے کرام کر پاتے ہیں جنہیں اوزان و بحور کا ادراک ہو (ورنہ پھر وہ نثری نظم ہو جاتی ہے۔ جس کی حیثیت ادب میں ایک گھس پیٹھیے یا بدعتِ بے جا کے سوا اور کچھ نہیں)۔ تحریر یا تو منثور ہوگی یا منظوم۔ ان دونوں کے بین بین کیا ہوگا۔ کلاسیکی ادب میں مقفیٰ اور مسجّع نثر کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ مگر کسی نے اسے نظم سے منسلک یا مربوط کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ مقفیٰ ہونے کے باوجود نثر ہی کہلائی۔ (اغلب گمان ہے کہ یہ طرزِ تحریر قرآن کریم کی آیات کے اتباع کے طور پر رائج ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔)

نظم چاہے پابند ہو یا معریٰ ہو یا آزاد بہر طور ایک مرکزی خیال کے گرد طواف کرتی ہے۔ مرکزی خیال کبھی کلائمکس کے طور ہوتا ہے کبھی اینٹی کلائمکس اور کبھی کبھی نظم کے مرکزی خیال کو قاری کی صوابدید پر مبہم چھوڑ دیا جاتا ہے۔

انجم صاحب نے تمام نظموں کو مختلف عنوانات کے تحت رکھا ہے۔ زیادہ تر وہ عنوانات ہی نظموں کے مرکزی خیال ہیں۔ ان نظموں میں حمد، مناجات، نعت بھی ہیں۔ معاشرتی اور اخلاقی نظمیں بھی، ملکی حالات اور سیاسی ماحول پر مبنی بھی، انسانی رشتوں کے تقدس پر بھی ہیں تو نونہالوں کی تعلیم و تربیت پر بھی، دنیاداری کی عیاری سے لے کر کوویڈ ۱۹/ اور لاک ڈاؤن تک کا احاطہ ان نظموں میں کیا گیا ہے۔ کئی نظمیں ہیں جن میں اللہ عزوجل کی تحمید غالب ہے۔ ان نظموں میں بیشتر خیال، اکثر مصرعے قرآنی آیات سے مستعار ہیں مثلاً ''خدا جس کو چاہے'' اسے عزت، شہرت، صحت، دولت، روشنی، آگہی اور زندگی عطا کرتا ہے۔ مکرم و معظم بنا دیتا ہے۔ قلِ اللھم‌ملک الملک توتی الملک من تشاء وتنزِع الملک ممّن تشاء (سورہ آلِ عمران، رکوع تین آیت چھبیس) (کہو کہ اے اللہ! اے اقتدار کے مالک تو جسے چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے۔) نظم ''پردہ نشیں'' میں (اے اللہ، تو ہمیشہ سے پردہ نشیں ہے) بقول شکیل اعظمی۔

جب کوئی آنکھ بھی نہ تھی پیدا تب بھی وہ پردہ نشیں رہتا تھا
نظر نہیں آتا، لگتا ہے بہت دور ہے تو۔ لیکن یہ تو خود تیرا ہی ارشاد ہے کہ........

وَنَحن اقرب من حبل الورید ۰ (سورہ ق رکوع نمبر دو آیت نمبر سولہ) اور ہم اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)۔ نظم ''توقع'' میں انسان کی اس کمزوری کو بیان کیا گیا کہ یہ دوسروں کو ملی نعمتوں کو دیکھ کر رشک کرتا ہے۔ سوچتا ہے اس کے پاس تو دولت ہے اپنے پاس کچھ نہیں۔ جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے''ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہٖ بعضکم علیٰ بعض ط (اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے ان کی تمنا نہ کرو (سورہ نساء رکوع پانچ، آیت بتیس)) نظم ''خلاق عظیم'' میں ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی خلاقی کی گواہی دیتی ہے، بشرطیکہ اس کی قدرت پر غور کیا جایے۔ ایمان والے دل کا کائنات کی تکوین میں غور وفکر کرنا عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے''ویتفکرون فی خلق ال سمٰوٰتِ والارض ج ربّنا ما خلقت بـا طلاج'' (اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، اور انہیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ اے پروردگار آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا)(سورہ آل عمران، رکوع بیس آیت ۱۹۱)

نعتوں میں آپ ﷺ کے اسوہ مبارک کو بیان کیا گیا ہے اور ''بہ ظاہر امّی'' میں یہ مصرعے نبیؐ کا قول ہی گویا خدا کا قول لگتا ہے، مستعار ہے (سورہ النجم، رکوع ایک، آیت ۳ اور ۴) وما ینطق عنِ الھویٰ ہ انّا وحیٍ یوحی ہ (یہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے۔ یہ تو خاص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے)۔

چند نظمیں مثلاً خدا بخش دے، جلال، برسا دے میرے مالک، عطا کردے، صبر، فضل وکرم، نگہبان، روشنی کی چادر اور نعمت وغیرہ مناجات ہیں جن میں خداوند قدوس کی حمد وثنا کے ساتھ ساتھ دعائیں کی گئی ہیں۔ اس کی رحمتوں کے سائے کی طلب ہے، خشک سالی میں پانی کی اور آگ سے نجات پانے کی تمنا، رسولؐ پاک سے سچی الفت کی طلب' یہ اعتراف کہ محض اللہ کے فضل وکرم کے طفیل انسان حرکت وعمل کا نمائندہ بن کر دنیا میں زندگی گزارتا ہے۔ ورنہ مٹی کے پتلے کی حیثیت ہی کیا ہے؟

'میری ماں'' ''میری بیٹی'' ''رشتوں کا تقدس'' اور ''گھر تمہارا ہے'' جیسی نظمیں ماں کے تعلق سے ہیں کہ اے اللہ! تو ہی میری ماں کے دل میں اتھاہ محبت کا جذبہ اتارنے والا ہے، اب چونکہ میری ماں تیرے پاس واپس آ گئی ہے لہٰذا اس پر رحمت کی نظر کر۔ اے اللہ! کہ تو ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے، میری ماں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما۔ اور ہاں! میری بدحالی کے بارے میں اسے کچھ نہ بتانا۔ ''میری بیٹی''، نظم میں بیاہ کے بعد میکے آ کر بیٹھ جانے والی بیٹی اور اس کا اپنے بچوں کی پرورش وپرواخت کے لیے زندگی سے جھوجھنے کا کرب ہے۔ ''رشتوں کا تقدس'' میں ماں باپ، بھائی بہن، استاد، پڑوسی، پیر فقیر جیسی نظموں میں رشتوں کی اہمیت اور قدر و قیمت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح ''گھر تمہارا ہے'' میں شوہر بیوی کے درمیان غلط فہمی کے سبب برہن کے جذبات کی عکاسی اور پھر شوہر کی طرف سے بلاوا کہ لوٹ آؤ کہ گھر تمہارا ہے۔ ایک خوش گوار تاثر پیدا کرتا ہے۔

''دھوئیں کے پتلے'' اور ''سارے جھگڑے پیسوں کے'' جیسی نظموں میں معاشرہ میں بڑھتی ہوئی مادہ پرستی پر چوٹ ہے کہ آج کا انسان رشتے ناتے، عزت ذلت، ناموری' گمنامی غرض کہ ہر شے کو دولت سے جوڑ کر دیکھ رہا ہے۔ ''سودا نہ کرو'' میں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ملک وقوم کا سودا نہ کرنے ''تحقیق کرو'' میں کسی کے بارے میں محض سنی سنائی پر فیصلہ کرنے سے پیشتر تحقیق کرنے اور ''بچت'' میں کفایت شعاری کی تعلیم ہے۔ ''پڑھاؤ یارو'' میں اولاد کی تعلیم کے ساتھ تربیت پر خصوصی نگاہ رکھنے اور ''دینی اور عصری تعلیم'' میں دونوں طرح کی تعلیم کے حصول کی ترغیب اور اردو میں نسلِ نو میں اردو کی بے رغبتی کا درد چھپا ہے۔ ''ماب لنچنگ'' ''بندوقیں'' ''دہشت کا ماحول'' ''شعلے نفرت کے'' ''ہمارا کیا ہے'' جیسی نظمیں اپنے عنوانات سے نفسِ مضمون کا پتہ دیتی ہیں۔ ملک میں پیدا شدہ حالات پر ہر نظم میں تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ ملک وقوم کے تعلق سے اہلِ وطن کو ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی فکر کارفرما ہے۔ کوویڈ ۱۹ کے تعلق سے ''کورونا کے چرچے'' ''کورونا میں'' اس وبائی مرض کو ایک سماوی آفت قرار دے کر دین سے انحراف کو سبب بتا کر قادرِ مطلق کو ناراض کر بیٹھنے والے اعمال سے توبہ کرنے کی تلقین نظر آتی ہے۔ اسی طرح ''تالہ بندی'' ''توبہ توبہ کرتے ہیں'' ''قید'' اور ''شادی مبارک (تالہ بندی میں)'' ان نظموں میں جہاں ایک طرف سماج کو درپیش مسائل کا بیان ہے تو دوسری طرف اس ''قید'' سے قبر میں گزرنے والے حشر تک کربِ انتظار کا موازنہ کر کے عبرت دلائی گئی ہے کہ اس قید سے اس قدر پریشان ہیں اگر قبر کے کرب سے نجات کی تیاری نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟ الغرض ان نظموں میں بیشتر شعبہ ہائے زندگی کے مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں اور ان کے حل بھی پیش کئے گئے ہیں، کشاکش زندگی سے جھوجھنے اور جہد وعمل کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ آسان لفظوں کا استعمال اور سلیس انداز بیان تمام نظموں کا طرۂ امتیاز ہے اور شاعر ہر نظم میں اپنے پیام کی ترسیل میں کامیاب ہیں۔ فی زمانا کہ جب اردو شعری مجموعے زیادہ تر غزل پر انحصار کرتے ہیں' اس روایت سے انحراف کرنے والے سید سبحان انجم صاحب کے اس جرأت مندانہ اقدام کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے نظم معریٰ اور آزاد نظم پر مشتمل ایک مکمل شعری مجموعہ پیش کر کے اپنی انفرادیت کی ایک اور عمدہ مثال قائم کی ہے۔ (اس سے قبل ۱۹۹۵ء میں سید صفدر صاحب کا اس نوعیت کا شعری مجموعہ ''قلقل آبِ وضو'' شائع ہو چکا ہے)

یہ شعری مجموعہ برار میں اپنی نوعیت کی مزید ایک خوش گوار کوشش ہے، جس کا استقبال کرنا ادب دوستوں اور سخن فہموں کی ذمہ داری ہے۔ ادب کی تاریخ میں اس سعی بلیغ کو ایک اور سنگِ میل کی حیثیت سے دیکھا جائے گا.........انشاءاللہ۔

☆☆☆

فن و شخصیت

عظیم انجم شیگاؤں

نکیلا تکون

صدیوں پہلے کے مصور نے دنیا کو سیاروں اور ستاروں کی اشکال کا ایک تصور دیا جو آج بھی اپنی ابتدائی ہئیت میں کم و بیش قائم ہے۔یعنی پانچ چھ نکیلے زاویوں کو جوڑتے ہوئے چند خطوط پر مشتمل شکل کسی ستارے کا تصور ذہن میں ابھار دیتی ہے اور دیکھنے والا مطمئن ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی بہت قریب سے کسی ستارے کو دیکھ رہا ہے......لیکن؟؟

میں نے ایک تکون ایک مثلث کی شکل میں دیکھا ہے۔ایک ایسا ستارہ جس کے تینوں زاویے، تینوں خطوط ایک متوازی تناؤ ایک مستقل جڑاؤ کی وجہ سے کبھی اپنی ہئیت و اہمیت نہیں کھوتے اور قادر مطلق کی تخلیق کی ہوئی اپنی حیثیت سے ابھارتے ہیں ایک شخصیت کا تصور جس کو ہم ''سید سبحان انجم'' کے انسانی نام سے جانتے ہیں۔سید سبحان انجم کی شخصیت کے گرد احاطہ کیے ہوئے تین خطوط ایسے تین زاویے بنتے ہیں جو کسی حال میں کسی وقت بھی بلا کم و کاست اپنا ٹھہراؤ برقرار رکھتے ہوئے اپنی انفرادیت کا اقرار کروا لیتے ہیں۔

ایک خط.........

جسے ''سبحان بھائی'' کے نام سے جانا جاتا ہے' وہ ہے ایک عمارت کی بنیاد' جس پر اس شخصیت کے تمام پہلو ٹکے ہوئے ہیں۔غیر موزوں حالات اور اقتصادی مجبوریوں کے باوجود ہمت و لگن سے اپنی تعلیم کو مکمل کر کے یا جہاں تک ممکن ہو سکا اسی کو حدِ تکمیل سمجھتے ہوئے نہایت ہی کم عمری میں اس شخص نے عملی زندگی کو لبیک کہا اور ملازمت اختیار کر کے اپنے چھوٹے بھائیوں کا اور اپنے خاندان کے مستحق افراد کا بوجھ اپنا فرض سمجھتے ہوئے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا اور اسی انداز کو اپنا نصب العین بنا لیا۔چھوٹے بھائیوں کے لئے تعلیم و روزگار کی فراہمی کی خاطر ہر ممکن زک و تکلیف برداشت کرنے ہی کو اپنی خوشی مانی۔اور ہر کسی کے لئے جو کچھ ہو سکا کرتا چلا گیا۔اور کبھی عوض کی امید نہیں رکھی۔معرکہ زندگی کے کسی محاذ پر بھی کمزوری نہ دکھانے اور مردانگی سے ڈٹے رہنے والی اس شخصیت کی نمایاں ترین خوبی ہے۔اس کا عجز و انکسار جو دلوں کو موہ لیتا ہے' ذہنوں کو گرویدہ کر لیتا ہے اور ہر متعلق شخص اگر موافق نہ ہو تو بھی مخالف نہیں ہو پاتا۔ثابت قدمی، مستقل مزاجی، حقیقت پسندی، بلند ہمتی، عاجزی و انکساری، ایثار و قربانی، مروت و مہربانی، صاف گوئی اور خوش کلامی یہ ہیں وہ اہم نکات جن کے یکساں جڑاؤ سے ایک خط بنتا ہے جس کا نام ہے ''سبحان بھائی''۔خوش نصیب ہیں وہ ماں باپ جن کو خدا نے ایسی اولاد سے نوازا ہے۔

دوسرا خط......

آفس و محکمہ میں عزت کے ساتھ لیے جانے والا نام ''سید صاحب'' ہے۔افسروں کا چہیتا، قابلِ اعتماد اور ساتھیوں کا مددگار۔ہر کسی کے ساتھ تعاون و راستی کا برتاؤ کرنے والا، کام میں محنت اور دیانت کو ایمان سمجھنے والا، رشوت ستانی اور سفارشی لعنتوں سے پاک بچتا بچاتا نبھاتے جا رہا ہے۔اپنے فرض کے دیے کو شیشے کے سے شفاف کردار کے فانوس میں سنبھالے اپنی منزل کی طرف رواں ہے۔بڑے سے بڑا احسان کر کے بھلا دینا اور کسی کے چھوٹے سے چھوٹے احسان کو یاد رکھنا اور اس کا تذکرہ کرنا، اس کی اچھائی کی شان اور بڑے پن کا مثالی پہلو ہے۔ماحول اور حالات کی ضرورت کے تحت وقت سے پہلے اپنے آپ پر سنجیدگی اور بڑھاپا طاری کر لینے والے اس بوڑھے نوجوان پر ترس بھی آتا ہے اور پیار بھی۔

تیسرا خط.......

سبحان انجم کے نام سے پہچانا جاتا ہے جو ایک شاعر، نقاد، عروضی، ادیب اور مفکر ہے۔جس نے عروض جیسے مشکل فن کو اپنایا اور اس پر عبور حاصل کیا۔چند کتابیں لکھیں اور اس حد تک لے گیا کہ موجودہ عہد کے مشاہیر اساتذہ سے تحریری مباحثے کیے اور ان سے داد و تحسین حاصل کی اور اپنی کہی منوائی۔

بحیثیت شاعر جدیدیت کی طرف مائل پاکیزہ رجحانات سے متاثر نئے نئے انداز میں شعر کہتا ہے اور خوب کہتا ہے۔آکاش وانی سے ریلے ہوا اور اکثر و بیشتر مستند ادبی رسائل میں چھپا ہے اور چھپتا رہتا ہے۔لیکن مشاعروں میں پڑھتے وقت اکثر بے دلی کا شکار ہو جاتا ہے اور بس پڑھ لیتا ہے۔اس لیے پڑھتا ہے کہ ادھر کئی دنوں سے یہ دیکھا گیا ہے کہ سبحان انجم مشاعروں میں شریک نہیں ہو رہا ہے اور محفلوں سے بھاگنے لگا ہے۔وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں صرف ان کی خوشی کے لیے جن لوگوں نے سبحان انجم کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا۔جنہوں نے ان کے مشورے سے شعر کہنا شروع کیا یا شعر کہنا سیکھا، وہی لوگ آج اپنے آپ

(بقیہ صفحہ 16 پر)

محمد نجم اللہ ابنِ مسلم، کھام گاؤں

فن وشخصیت

اور ڈوبا تو خلاؤں کے بھی اوپر نکلا

سید سبحان انجم اور محمد نجم اللہ ابن مسلم دونوں میں کئی اور باتوں کے علاوہ ایک بات مشترک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں کی تعلیم مراٹھی میڈیم سے ہوئی۔ مگر یہ کہنے کی بات نہیں کہ ہم اردو کے لیے کچھ کر رہے ہیں۔

انجم کی بات اور ہے میں تو بلا وجہ انگلی کٹا کے شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ یہ عجیب ستم ہے زمانے کا نعوذ باللہ لوگوں کا کہ جب کوئی تذکرہ کرتا ہے اپنی عاشقی کا تو ایک سے بڑھ کر ایک عاشق میدان میں اتر آتا ہے۔ کوئی کہتا ہے میری گلی مصر کے بازار سے کم نہیں اور کوئی کہتا ہے میں واحد یوسف کا خریدار ہوں۔

جب سے اردو کا اعانتی ادارہ قائم ہوا ہے، تب سے ادیبوں کی نہ معلوم کتنی اقسام نظروں کے سامنے آ رہی ہیں۔ اردو کے خادموں کے جھنڈ کے جھنڈ اردو کی نہر کھودنے میں پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں۔

ویسے انجم کا میرا ساتھ گزشتہ بیس سال سے رہا ہے، اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں انجم کو زیادہ جانتا ہوں لیکن جہاں انسان مرتے دم تک خود اپنے آپ کو پہچان نہ سکتا ہو وہاں یہ دعویٰ کہ میں کسی اور کو زیادہ جانتا ہوں۔ جاننے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے۔

کسی زمانے میں کامٹی کا نام اردو کی خدمت کے لیے لیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امراوتی برار میں تعلیم کا مرکز رہا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نئی نسل کے لیے اس علاقہ میں کھام گاؤں ہی سے ادبی تحریک میں نئے نئے زاویوں سے روح پھونک رہی ہے۔

انجم بڑے بننے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ یقیناً سیاسی بڑا بھی نہیں ہے۔ وہ پیسے والا بھی نہیں ہے، وہ نام والا بڑا نہیں ہے۔ وہ منہ سے رال ٹپکانے والا بڑا نہیں اور نہ ہی وہ سند یافتہ بڑا ہے۔ وہ بڑا ہے اردو کی دیوانگی کا اور دیوانہ بھی ایسا کہ اپنی دیوانگی میں دوسروں کو بھی برابر کا شریک کرتا ہے، کر رہا ہے اور اثر بھی ڈالتا ہے اور اسی وجہ سے یوں ہوا ورنہ۔

کیا تعلق تھا کسی شہر کے لوگوں سے مگر۔ جو بھی انجم سے ملا آج وہ رو کر نکلا

ایک طرف یہ حال ہے مگر دوسری طرف لوگ خلوص کی کمی کی وجہ سے انجم کی کوششوں کو پوری طرح سمجھ نہ سکے۔ خصوصاً اس شہر کے لوگ جہاں وہ اردو کی ادبی انجمنوں کو جنم دیتا رہا، کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں۔

ہم بھی تو کسی شخص سے روئے نہ لپٹ کر۔ پھر ہوگا کوئی واقفِ حالات کہاں سے

حالات کی یہ بڑی بدقسمتی رہی ہے کہ کوئی بھی اجتماعی کام خواہ وہ خالص ادبی ہی کیوں نہ رہا ہو، خواہ وہ کتنے ہی خلوص سے کیا گیا ہو اسے کھلی فضا میں پروان چڑھنے نہیں دیا گیا۔ بدگمانیاں، ریشہ دوانیاں گھروندہ توڑنے پر مجبور کرتی ہیں، اور یہی تجربہ انجم کو بھی درپیش رہا۔ شاید اسی وجہ سے اسے یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ

لوگ بادل کی طرح راہ میں آئے ورنہ
میں تو سورج کی طرح گھر سے برابر نکلا

تیزاب کے چھڑکاؤ سے برباد ہوئے کھیت۔ فصلوں کا پھر اللہ نگہبان ہوا ہے
وہ توڑ دے گا ہر اک شاخ وگل کے رشتے کو۔ کسی فسادکی کوئی اساس مت سمجھو
اپنے کوچے میں کھو گئے ہم لوگ۔ بٹ گئی دوستی اداروں میں
آرام سے بیٹھیں گے کہیں چل کے گھڑی بھر بستی میں سبھی خانہ خرابوں کی طرح ہیں

انجم نے کئی مرتبہ یہ کوشش کی ہے کہ اردو ادب اور اس کے مختلف پہلوؤں پر خود کام کریں اور دوسروں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ اس علاقہ میں وہ فضا بنے جو یوپی کے بعض مقامات پر پائی جاتی ہے۔ اردو پریس ہو، کاتب تیار ہوں، کتابچے شائع ہوں، خصوصاً بچوں کے ادب پر نئی تخلیقات میدان میں آئیں۔ اس علاقہ میں اردو صحافت کا عروج ہو۔ خود انجم نے علم عروض پر کتاب شائع کی، بچوں کے ادب پر شائع کی اور اب پندرہ روزہ ''بال وپر'' میدان میں آ چکا ہے۔ اور وہ دیوانگی جو کبھی ہمت سے آگے بڑھی، کبھی روٹھ کے بیٹھ گئی، کبھی شہر شہر گھومی، کبھی مایوس ہوئی، کبھی آس لگائے بیٹھی رہی، وہی دیوانگی آج تک زندہ ہے اور تحریک کو آگے بڑھا رہی ہے۔

کہنے کو چند جملوں میں پوری تواریخ بیان کر دی گئی لیکن کن مراحل سے اور کتنی تکلیفوں سے اس دیوانگی کی پرورش کرنی پڑتی ہے یا کرنی پڑی ہے، یہ وہی جانے جو اس دیوانگی میں مبتلا رہا ہے۔ جس ماحول میں اردو کے ایم اے اور پی ایچ ڈی حضرات اردو کا اخبار خرید کر نہ پڑھتے ہوں اس ماحول میں اردو کی خدمت منہ کا کھیل نہیں ہے اور اس پر مہربانوں کی کرم فرمائیاں ستم ڈھائیں تو بس خدا ہی حافظ!

کتابیں مفت میں چھپا نہیں کرتیں، ہم مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کتابیں فروخت نہیں ہوتیں فروخت کی جاتی ہیں۔ وہ بھی ہنر ہے جو

استادوں سے سیکھا جا سکتا ہے لیکن انجم کی خودداری اسے اس بازاریت پر آنے نہیں دیتی۔اس نے ذلت کی راہوں سے گریز کیا ہے۔

سماج میں ایسے دکانداروں کی کمی نہیں جو اپنے بکاؤ مال کے لیے اوروں کو پریشان کرتے ہیں' بدنام کرتے ہیں، اور مارکیٹ میں کسی قیمت ٹکنے نہیں دیتے۔ادب کا بازار بھی اس سے مستثنٰی نہیں ہے اور برا ہو اس سیاست کا اسے تو نمک مرچ سے لے کر پتلون کے بٹن میں بھی کرسی کا عکس نظر آتا ہے۔

انھیں تجربات کا احساس ممکن ہے ان اشعار میں بیان کیا گیا ہو:

پتھراؤ ہو رہا ہے مسلسل مکان پر۔اب کیا بتائیں ہم پسِ دیوار کون ہے
انجم ہمارے پاس فقط پیار ہی تو ہے۔لیکن محبتوں کا خریدار کون ہے

ایک آدھ مرتبہ جوش و ہمت سے انجم یہ کہہ دیتے ہیں۔

ہمارے ہاتھ میں خالی گلاس مت سمجھو
فقیہہ شہر ہمیں نا سپاس مت سمجھو

لیکن سیاسی مخالفین اپنے دشمنوں پر جب حملہ آور ہوتے ہیں تب غریب ملازمت پیشہ ادیب جو سب سے زیادہ حساس ہوتا ہے، اسے کہنا پڑتا ہے کہ:

ہم حقیقت پسند ہیں انجم۔آئینوں کی زبان سمجھتے ہیں
کشمکش، الجھنیں، پریشانی۔زندگی تیری کیا حقیقت ہے
بجھی بجھی سی ہر اک انجمن ہے شہروں کی۔لٹا لٹا سا ہر اک گھر دکھائی دیتا ہے
پاؤں پھسلتا، چوٹیں آتیں کس نے دیکھا کیا کیا ہوتا
کب تک انجم بوجھ وفا کا سر پہ اٹھائے پھرتے ہیں

بی اے ایم اے حتی کہ پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لیے سجان انجم بڑا پیارا ساتھی نظر آتا ہے، لیکن جب اپنا مفاد پورا ہو جاتا ہے تب اس کے ساتھی شاگرد خود انجم کے خلاف کہتے نہیں تھکتے اور انجم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔اور کچھ لوگ اجنبی بن جاتے ہیں:

کل اٹھائے گئے تھے شانوں پر۔آج ہم پائمال کتنے ہیں
کج روی، سازشیں، فریب و دغا۔دوستوں کی پرانی عادت ہے
سب سو گئے ہیں تان کر ان دستکوں کا کیا قصور
اب کس کے گھر جائیں گے انجم ہر جگہ انکار ہے

اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی انجم اپنی بساط کے مطابق برابر اردو کے لیے کچھ نہ کچھ کر رہا ہے۔وہ صاحب ایمان ہے، اسی لئے پر امید ہے کہ اس علاقہ میں انشاء اللہ اردو کا مثالی باغ لگا کر رہوں گا۔خواہ اس کے لئے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو:

گلی میں گھومتا پھرتا ہے آج بھی انجم۔کسی تلاش میں اکثر دکھائی دیتا ہے
اک اسی آس پہ برسوں سے ہیں زندہ انجم۔کوئی آہٹ، کوئی گفتار سنائی دے گی

ہمارے کھام گاؤں والے ہی جانتے ہیں اس شخص کو جسے جبار بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔وہ ایک مجذوب شخص ہے۔اس کی دنیا عام انسانوں کی دنیا سے مختلف ہے۔اس کے دکھ کا معیار نرالا ہے کوئی کیا جانے کہ وہ کیا ہیں۔ دُھن کے پکے لوگ دیوانے ہی ہوا کرتے ہیں اور ایسے ہی دیوانے کچھ کر دکھاتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد ہر شہر میں بڑی محدود ہوتی ہے۔

آپ ہیں، میں ہوں اور انجم ہے۔گاؤں میں باکمال کتنے ہیں

جسم ایک ظاہری شے ہے۔عموماً ایک انسان دوسرے انسان کے جسم ہی کو دیکھتا ہے، روح تک اس کی رسائی مشکل ہوتی ہے۔میں یہ بات جو حقیقت بھی ہے ایک مثال کے ذریعہ سمجھاؤں گا، کوشش کریں تو آپ بھی سمجھ جائیں گے۔

ایک اردو کا مقبرہ ہے اس کے چاہنے والے چندہ جمع کرتے ہیں اور جلوس نکلتا ہے، جلسہ ہوتا ہے، تقاریر ہوتی ہیں، کھانا پکتا ہے، سب پیٹ بھر کھاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر اردو کی روح بھوکی ہی رہ جاتی ہے۔انجم ہے اردو کا ایک چاہنے والا:

جسم سوتا پڑا تھا بستر پر۔روح پھرتی رہی مزاروں میں

لیکن وہ خالی ہاتھ گھر سے نہیں جاتی۔اتفاق سے ایک روز رات کے وقت انجم سے ملنے اس کے گھر گیا۔دیکھا، انجم کی روح دروازے پر کھڑی تھی' جاتے جاتے رک گئی۔میں پوچھا یہ کیا لے جا رہی ہے؟ اس نے کہا میں روزانہ رات کے وقت انجم کے گھر سے پکے ہوئے کھانے کا نصف حصہ اردو کے مقبرہ پر لے جاتی ہوں اور اردو بیگم کی روح کو کھلا آتی ہوں۔

مجھے ایک شاک سا لگا کہ میں اپنی تنخواہ سے باقاعدہ دس روپیہ ماہانہ بھی اردو پر خرچ نہیں کرتا مگر انجم کی روح تو نصف حصہ اردو کے مقبرہ پر لے جاتی ہے۔میں غور و فکر میں ڈوب کر انجم کے ایثار و قربانی کا تصور کر رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا

عمر بھر ریت کے ساگر میں چلائی کشتی
اور ڈوبا تو خلاؤں کے بھی اوپر نکلا

☆☆☆☆

گزشتہ ۲۴ برسوں سے پابندی سے شایع ہونے والا رسالہ
ماہنامہ **رنگ و بو** حیدر آباد
ایڈیٹر صاحبزادہ مجتبیٰ فہیم
قیمت۔۲۰ روپے　　زرِ سالانہ۔۲۰۰ روپے
رابطہ: 18-8-3A، عیدی بازار۔حیدر آباد۔500023

ڈاکٹر انوار احمد خاں..(شیگاؤں)

ندائے انجم

علاقۂ برار کے جن مشہور و معروف اردو کے شعرا نے عروسِ سخن کے گیسوؤں کو سنوارا ہے، ان میں سجان انجم کا نام گرامی معتبر و مستند قیاس کیا جاتا ہے۔ سید سجان انجم ایک خلیق و با اخلاق، مخلص و نیک اور آزاد طبیعت انسان ہیں۔ وہ ایک ماہر عروض ہونے کے علاوہ کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر بھی ہیں جن کا کلام جگ بیتی سے زیادہ آپ بیتی ہے ۔

وہ اپنی زندگی میں مختلف قسم کی مزاحمتوں سے دو چار ہوتے رہے لیکن بلند حوصلگی کے سا تھ مشکلات کا سامنا کیا اور اپنے میلان طبع ''سخن گوئی'' کی طرف مائل ہوئے۔

بے زباں یونہی اندھیروں میں رہیں گے کب تک
ذہن کے سارے پرندوں کو اڑا کر دیکھوں

چنانچہ سجان انجم نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام ''گونگے تارے'' میں غزلیات، رباعیات، قطعات اور آزاد نظمیں شامل ہیں۔ وہ غزل کے شاعر ہیں اور غزلیات میں اپنے جذبات، احساسات و وارداتِ قلبی کو سیدھے سادے ہلکے پھلکے سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں دقیق الفاظ، مرکبات و تراکیب اور عربی و فارسی کی اضافتوں کا استعمال مطلقاً نہیں ہے۔ اس کے باوجود اشعار میں روانی، شیرینی، برجستگی، فکر انگیزی اور معنی آفرینی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ان کے کلام کی ایک ممتاز و منفرد خوبی ہے۔

صاف وشستہ اور سادہ زبان میں ہر قسم کے خیالات کی اڑان بھرنے میں سجان انجم نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ان کی زبان کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر اشعار پڑھتے ہی قاری کے دل میں اتر جاتے ہیں۔ کچھ تو از بر ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ تخیل کی غوطہ زنی کے بعد ہی ان میں سے گوہرِ آبدار نمودار ہوتے ہیں۔

کلام میں نئے نئے استعارات، کنایات، علامات اور تشبیہات کے برمحل استعمال نے سادہ کلام کے فطری حسن میں سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ اندازِ بیان میں سادگی، شائستگی، شگفتگی، بے ساختگی، ندرت اور لطافت ہے۔ کلام میں صرف تخیل کی بلند پروازی ہی نہیں بلکہ حقائق کا بیان اور تصوف کی چاشنی بھی ہے۔ علاوہ ازیں خودداری، خدا پرستی، خود شناسی، خلوص و محبت، پند و نصیحت اور سبق آموز مضامین اپنی آب و تاب کے ساتھ جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ رباعیات میں بوئے سرمدی محسوس ہوتی ہے اور نظموں اور غزلوں میں فیض کی طرح ایمائیت اور جامعیت نظر آتی ہے۔

نئے نئے استعارات اور تشبیہات کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں۔ موتی اور تارے کے استعارے کو آنسوؤں کے لئے استعمال کیا ہے:

جب کبھی اس کی جدائی کا خیال آتا ہے۔ ہم بھی آنکھوں میں چمکتا ہوا تارا دیکھیں
وہ اپنے درد کی سوغات دے گیا انجم۔ ہماری آنکھ سے موتی کوئی گرا بھی نہیں

یہاں درد کی سوغات اور آنکھ کا موتی دونوں استعارات کا برملا استعمال ہوا ہے۔ شاعر نے بردباری سے درد کو بطور سوغات قبول کیا ہے۔ اس سوغات کے بدلے موتی نچھاور کرنا چاہتا ہے لیکن خود ضبطی نے اس کے اس عمل کو روک دیا۔

رات جاگے ہوئے انجم ٹوٹے۔ تیری فرقت کا نظارا ٹوٹا

جہاں شاعر تاروں بھری رات میں فراقِ محبوب کے تصور میں محو رہا، صبح نمودار ہوتے ہی ادھر تارے آسمان سے اوجھل ہو گئے اور ادھر شاعر کے ذہن سے محبوب کی جدائی کا خیال بھی اوجھل ہو گیا۔ اس ضمن میں انجم تاروں کا رات بھر جاگنا اور ان کے ٹوٹ جانے کا استعارہ بڑی ہنرمندی سے استعمال کیا ہے۔

آج کل محبت کو زر میں تولا جاتا ہے۔ محبت کی یہ میزان غریبوں کے دلوں کو مجروح کر دیتی ہے۔ اس دل خراش حقیقت کا اظہار ''تاج محل'' کی تشبیہہ کے توسط کیا ہے۔

محبتوں کی نمائش ہے جیسے تاج محل۔ غریب دل کو یہ نشتر دکھائی دیتا ہے

سجان انجم کا انداز بیان نہایت شریفانہ، شائستہ، دلکش و دل پذیر ہے۔ ساتھ ہی متانت، ندرت اور لطافت کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔

آنکھوں کے اشاروں پر محفل سے اٹھا دینا۔ ہلکے سے تبسم پر اتنی نہ سزا دینا

دونوں فریقین کے عمل میں ندرت و لطافت قابلِ داد ہے۔ نجی پریشانیوں اور حالت زار کو لطیف انداز اور علامتی پیرایے میں بیان کا سلیقہ دیکھیے۔

غیظ و غضب کا سورج سر پر، پاؤں کے نیچے جلتی ریت
سر کو چھپائے رکھتے ہم یا پیر اٹھائے پھرتے ہم

یہاں غیظ و غضب کا سورج اور جلتی ریت کی علامتیں بالترتیب آسمان کی ستم ظریفی اور زمین کے ظلم و ستم کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کلام میں الفاظ کی تکرار نے حسن پیدا کر دیا ہے۔ شاعر کسی مخصوص گہری سوچ میں محو و مقید رہتا ہے۔ دیکھیے اپنی اس

کیفیت کا اظہار وہ کیسے انوکھے انداز سے کرتے ہیں:۔

چھت ہے نہ دیواریں، کوئی زنجیر نہ پنجرہ
ایسا بھی قفس ہوگا کبھی سوچا نہیں ہے

شاہد کبیرؔ نے اسی قسم کی سوچ کو الفاظ کا جامہ یوں پہنایا ہے:۔

باندھ رکھا ہے کسی سوچ نے گھر سے ہم کو
ورنہ اپنا در و دیوار سے رشتہ کیا ہے

بعض اشعار میں لب ولہجہ کی جاذبیت، بے ساختگی اور، دلکشی اس قدر ہے کہ انہیں پڑھتے یا سنتے ہی از بر ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:۔

مستحق لوگ چپ ہی رہتے ہیں۔ ہر سوالی صدا انہیں دیتا
جب تو نہ ملے گا کہیں جی نہ لگے گا۔ روئیں گے مگر آنکھ سے دریا نہ بہے گا

حق گوئی و بیباکی اور حقائقِ زندگی پر سبحان انجم کی نظر بڑی گہری ہے، وہ کہتے ہیں:۔

حق بیانی پہ خفا ہوتی ہے دنیا انجمؔ
میں بھی تصدیق کروں کچھ تو سنا کر دیکھوں

اسی موضوع چند اور اشعار بھی دیکھیں:۔

دنیا میں محبت سے عداوت بدلے تدبیر سے انسان کی قسمت بدلے
جیتے ہیں یہاں لوگ ہمت والے ان کے لیے اللہ کی قدرت بدلے

☆

ہر چیز کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ انسان کی تقدیر بدل جاتی ہے

سبحان انجم اپنے کلام میں ایک شفیق دوست بن کر پند و نصیحت اور سبق آموز باتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:۔

اے دوست! کبھی بھول سے لہجہ نہ بدلنا۔ شہرت کی بلندی پہ سلیقہ نہ بدلنا
تم اپنے بزرگوں کا طریقہ نہ بدلنا۔ تم عشق و محبت کا وظیفہ نہ بدلنا
دلوں کو پیار محبت کی زندگی دے دو۔ پڑوسیوں کو غریبوں کو ہر خوشی دے دو

بعض اشعار ایسے ہیں جو نئی تہذیب میں پلی نسل کے لیے تازیانے کا کام کرتے ہیں:۔

اپنے بچوں کے لیے دھوپ میں جھلسے ہم بھی
ہم سے کتنا ہے انہیں پیار چلو دیکھیں گے
دنیا میں انہیں شمس و قمر ملتے ہیں۔ ماں باپ کی خدمت میں ثمر ملتے ہیں
تم اپنے ماں باپ کی قیمت جانو۔ بازار میں یہ لوگ کدھر ملتے ہیں

کلام میں تصوف کی جھلکیاں بھی جلوہ گر ہیں:۔

سنا ہے اس کا بسیرا ہے آسمانوں میں۔ مگر وہ دل سے کہیں دور تو گیا بھی نہیں
اس نے اک کتاب لکھی تھی میں نے اپنا نام دیا
وہ ہی چھپا تھا میرے اندر میں تو اس کا چہرہ تھا

بعض رباعیات، سرمد کی طرز پر ہیں جن میں دنیا سے بے رغبتی اور اس کی بے ثباتی کی عکاسی کی گئی ہے:۔

آنکھوں میں چمکتے ہوئے تارے جھوٹے۔ یہ پیار کے رنگین نظارے جھوٹے
یہ دل ہے کہ دھوکے میں پڑا ہے اب تک۔ اک تیرے سوا سارے سہارے جھوٹے
اے دوست! یہ رشتوں کا بھرم ٹھیک نہیں۔ یہ ٹھیک نہیں میرے صنم ٹھیک نہیں
خالق کے سوا سارے سہارے جھوٹے۔ مخلوق سے امید کرم ٹھیک نہیں

حضرت منشاءؒ نے بجا فرمایا ہے:۔

فن سے فنکار کے کردار کا چلتا ہے پتہ۔ کوئی دیوار نہیں ہے فن و فنکار کے بیچ

اس شعر کے مصداق کلامِ انجم میں درجِ ذیل اشعار ان کی شخصیت کے چند اہم پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں:۔

لگ جائیں اگر ہاتھ تو فرحت ہی ملے گی
فہرست میں نایاب کتابوں کی طرح ہیں
ہم حقیقت پسند ہیں انجمؔ۔ آئینوں کی زباں سمجھتے ہیں
انجم ہمارے پاس فقط پیار ہی تو ہے۔ لیکن محبتوں کا خریدار کون ہے
چھپا لو گود میں، بادل بنو یا کچھ بھی کرو۔ ہماری ذات کا سورج مگر چمکتا ہے
میں سونے جیسا ہوں بیش قیمت، ہر ایک سانچے میں ڈھل رہا ہوں
کسی کی خاطر پگھل رہا ہوں۔ کسی کی خاطر میں جل رہا ہوں

خودداری ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ صرف خدا ہی کے سامنے اپنی نیاز مندی ظاہر کرتے ہیں:۔

زمانہ مجھ کو ستا رہا ہے ہوا مخالف رلا رہی ہے
تری نوازش ہے میرے مولیٰ مصیبتوں سے نکل رہا ہوں
ترے علاوہ کسے پکاریں، ترے علاوہ بھی چاہیں کس کو
تسلی دیتے ہیں لوگ لیکن کہیں پناہوں میں کچھ نہیں ہے

اپنے کلام کی طرح سبحان انجم کی شخصیت بھی صاف ستھری اور پر تاثیر ہے۔ اپنی سادگی، اپنے مخصوص انداز بیان اور اپنی خوش الحانی کی بدولت وہ ہر حلقہ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

میں محترم سبحان انجم صاحب کو ان کی تخلیق پر صدق دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر اس مجموعہ کو قبول عامہ سے نوازے۔ میرے عزیز شکیل اعجاز بھی مبارک بادی کے مستحق ہیں، جنہوں نے جانفشانی سے اس شعری مجموعہ کو ترتیب دے کر زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

☆☆☆

ایم نصراللہ نصر
ShalimarApartment
3.SatyamBoseRoad
DanishShaikhLane
BakulTala.howrah-711109
(W.B)
Mob-9339976034

ہم نے گیتوں میں وہی درد بتانا چاہا

سید سبحان انجم

سعید رحمانی کی اطلاع کے مطابق سید سبحان انجم خطہ شیگاؤں (مہاراشٹرا) سے تعلق رکھتے ہیں۔فی الحال وہ اسی زرخیز علاقے کے کھام گاؤں میں مستقل طور پر اپنے ادبی خیمے کے ساتھ مقیم ہیں۔نہایت ہی نیک دل، مخلص وملنسار انسان ہیں۔طبیعت میں بشاشت ،ظرافت ونزاکت کمال کی ہیں۔بڑے خوش مزاج ہیں۔دل کے بڑے اچھے ہیں۔اردو زبان وادب سے ان کا گہرا رشتہ ہے۔اردو کے شعری ادب سے ان کو جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ان کے شعری سفر کا آغاز ۱۹۶۳ میں ہوا۔کہنہ مشق شاعر ہیں بلکہ استاد شاعر بھی ہیں. اس لیے کہ وہ ایک ماہر عروض داں ہیں۔حیرت کی بات یہ ہے کہ اردو کی بنیادی درجات کی تعلیم رکھنے کے باوجود اس زبان میں مہارت رکھنے کا مجاز بھی رکھتے ہیں۔شعری ادب کی اس منزل تک پہنچنے میں ان کی اپنی مساعی جمیل شامل رہی ہے۔کسی استاد سے اصلاح لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔مطالعے کے شوق نے انہیں اس قدر علمی وادبی صلاحیت سے سرفراز کیا کہ ان کی تحاریر وتخالیق سے ایسا کبھی محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ نیم تعلیم یافتہ ہیں۔بیشک شاعری ان کے لئے عطیۂ خداوندی ہے۔انہیں علم عروض پر نہ صرف عبور حاصل ہے بلکہ موصوف نے شعروشاعری اور عروض کے علاوہ متعدد نثری کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں ابتدائی علم عروض (۱۹۷۶) شعرو تقطیع کا چارٹ (۱۹۷۸) دھویں کے پتلے (۱۹۷۸) سید سبحان انجم کا منتخب کلام (۲۰۱۶) صبحِ برار (۲۰۱۶) ذکر گل (شعرائے شیگاؤں کا تذکرہ۔۲۰۱۸) شاعری کا فن (۲۰۱۹) ثوابوں کے تحفے (منی نظمیں ۲۰۲۰) گونگے تارے (شعری مجموعہ۔۲۰۲۲) شامل ہیں۔ان کے علاوہ قواعد تقطیع ،رباعی شناسی' ادبی فائل اور ادبی خطوط پر مشتمل کتابیں اشاعت کی قطار میں کھڑی ہیں۔

ان کتابوں کی تعداد اور موضوعات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موصوف کی علمی ،ادبی وشعری صلاحیت کی پرواز کس قدر بلند وبالا ہے۔جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے تو بیشک وہ ایک منجھے ہوئے شاعر لگتے ہیں ساتھ ہی مشاق نثر نگار بھی۔ان کے اذہان کی وسعت ،زبان کی گیرائی اور فکر کی گہرائی کو دیکھ کر یہ سوچ لینا برا نہ ہوگا کہ انہوں نے اس دشت کی سیاحی میں ایک لمبا عرصہ گزار کر زلف سیاہ کو سفید کیا ہے۔دھوپ میں پکایا نہیں ہے۔اللہ ان کے جذبات کو اور سر بلندی عطا کرے آمین۔

جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے تو اس معاملے میں بھی ان کو کم آنکنا بد دیانتی ہوگی ۔ بڑے نپے تلے انداز کے شاعر ہیں ۔ان کی شاعری میں شائستگی ، شگفتگی ،برجستگی، شعریت، عکس حیات کا منظر نامہ، سیاسی بازی گری کی جھلکیاں اور عصری حالات کے تذکرے صاف دیکھنے کو ملتے ہیں۔ماہر عروضیات ہونے کے سبب اشعار میں حد سے زیادہ نظم وضبط کا اہتمام کیا گیا ہے جس کا اعتراف ادب کی بڑی بڑی ہستیوں نے کیا ہے۔جن میں نذیر فتح پوری، منظور ندیم، احمد کلیم فیض پوری، سعید رحمانی اور علیم اسماعیل کے نام نامی شامل ہیں۔چند اشعار ملاحظہ کریں:

یہ حکومت بھی کوئی ٹھیک نہیں ۔آج کہتے ہیں میرے ہم سایے
انجم کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے ۔اپنوں میں وہ پہلی سی محبت نہیں ملتی

سید سبحان انجم کی شاعری میں بسیط تخیلات کی فراوانی ہے ۔ان چھوئے خیالات کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں۔سیاست کی گندی روایت کا تذکرہ بھی ہے ۔حالات کی کج روی کا ذکر بھی اور دل کے جذبات کا اظہار بھی سلیقے سے کیا گیا ہے۔ دراصل سچی شاعری وہ ہے جو دل سے نکلے اور زینت قرطاس ہوکر خوشبو کی طرح ذہن کے نہاں خانوں میں پھیل جائے ۔دل میں جا بسے۔ آنکھوں میں اس کے مناظر پیوست ہو جائیں لیکن جب عروض کی پابندیوں کی حد سے زیادہ پاسداری کی جاتی ہے تو دل کی وہ باتیں کہیں پیچھے چھوٹ جاتی ہیں لیکن اشعار تخلیق ہوجاتے ہیں۔انجم صاحب کے یہاں بھی کچھ اسی طرح کا اہتمام سخن ہے۔کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ ان کے دل کی باتیں اور جذبات کے اشارے پردۂ خفی میں رہ گئے ہیں لیکن شاعری کی چمک دمک میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ گرم ریت اور آبلے،اب ہر قدم دشوار ہے۔ دو پاؤں کو سر پر اٹھالو ہر روش پُر خار ہے
بس اے جنوں رسوا نہ کر، یہ محفلِ اغیار ہے۔مت کھولنا اپنی زباں،وہ شخص عزت دار ہے

رات آنکھوں میں کٹی خواب کے منظر ٹوٹے۔ دھوپ نکلی تو کئی غم کے سمندر ٹوٹے
تم اپنے بزرگوں کا طریقہ نہ بدلنا۔ مشکل بھی اگر آئے تو رستہ نہ بدلنا
کاسے میں وفاؤں کا صلہ مانگنے والو۔ مٹ جانا مگر یار سے رشتہ نہ بدلنا

موصوف کی شاعری میں قوسِ قزح کا رنگ نمایاں ہے۔ موضوعات میں رنگا رنگی ہے۔ افکار میں بلندی ہے اور طرز اظہار بھی نرالا ہے۔ ان کے ہر مصرع اور شعر سے ان کی عظمتِ سخن دانی کا پتہ چلتا ہے۔ وہ اپنی شاعری کی نقاشی میں رنگ رنگ کے عکس ریزے نہ جانے کہاں سے لاتے ہیں کہ قاری کے دلوں میں تجسس کے ساتھ تکلم اور تبسم پھوٹ پڑتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایسی بے شمار خوبیاں موجود ہیں جن پر تبصرہ کرنے کے لیے دفتر کے دفتر کی ضرورت پڑ سکتی ہے مگر اس کے لئے ان کی شاعری کا عمیق مطالعہ لازمی ہے۔ ان کے اشعار میں وسعت ہے' جدت اور ندرت بھی ہے۔ کرب و کراہ بھی ہے، درد و انبوہ کا اظہار بھی اور مسرت و شادمانی کا رومانی انداز بھی۔ اشعار دیکھیں:

چاند میں چہرہ، پھول میں خوشبو، رنگ بھی تیرے جیسا تھا
منزل منزل تیرے لیے تھی، رستہ رستہ تیرا تھا
وقت پر آپ نہ آئیں تو قیامت گزرے۔ آپ آئیں تو شب و روز کا نشتر ٹوٹے
مشکل سے مرے گاؤں کا ماحول بنا ہے۔ تم پھر سے مرے گاؤں کا نقشہ نہ بدلنا
اپنی پہچان کو ترسے گا ہمارا چہرہ۔ اور جھنجھلائے گا آئینہ دکھانے والا
وہ بھی محفوظ نہیں کانچ کے گھر میں انجم۔ میری گرتی ہوئی دیوار گرانے والا

سید سبحان انجم بیشک ایک سلیقہ مند شاعر ہیں، تجربہ کار ہیں، سخن کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، شاعری کی سوجھ بوجھ کے ساتھ استادانہ علمیت سے سرفراز ہیں۔ ان کے اشعار میں بے شک خوب سے خوب تر کاریگری کی گئی ہے۔ کہیں کہیں قاری کی قرأت میں ٹھہراؤ سا محسوس ہوتا ہے مگر قابل برداشت ہے۔ زبان و بیان میں ندرت اور نکہت ہے۔ شعر میں شیرینیت اور تلخی دونوں ہیں۔ پند و نصائح کے ساتھ اصلاح و مشورے بھی شعور کی رو کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ موصوف سے مزید اچھی شاعری کی امید کی جاسکتی ہے۔ چند اشعار اور: رشتوں کے بگڑنے میں کچھ وقت نہیں لگتا۔ لگتے ہیں کئی برسوں، رشتوں کو بنانے میں اپنی چاہت کا ہمیں خوب صلہ دیتا ہے۔ ہم جسے چاہیں وہی شخص دغا دیتا ہے

آج بازار سے خالی آئے۔ کیسے بچوں کو ہنسایا جائے
اپنے اخلاق میں کمی آئی۔ آج بچوں میں خودسری آئی

المختصر یہ کہ شاعری کی جو چند لازمی خصوصیات ہوتی ہیں ان میں سے بیشتر خصوصیات موصوف کی شاعری میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ وہ چاہے معاشرت کی قبیح شکلیں ہوں، سیاست کی اٹھکھیلیاں ہوں، حالات کی کج روی ہو، احباب کی بے رخی ہو، خودغرضی ہو، محبوب کی بے اعتنائی ہو، بچوں کی فکر ہو یا زمانے کا خیال سب کچھ ان کی شاعری میں موجود ہے۔ مجموعی اعتبار سے موصوف کی شاعری قابل قبول اور لائق داد و تحسین ہے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے آمین۔ آخر میں انھیں کے ایک شعر پر اپنی بت ختم کرتا ہوں:

اپنے احباب نے جو کچھ بھی دیا ہے انجم۔ ہم نے گیتوں میں وہی درد بتانا چاہا

☆☆☆

(تاریخ کا بقیہ)

پھر وہ دن آیا جب دھرتی ماں کے سینے پر خون سے ایک لکیر کھینچ دی گئی ہنگامے شروع ہو گئے۔ ہم لوگ لاہور سے روانہ ہوئے میں اور رکمنی کے پتا گھر چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔ گلشیر خاں نے کہا تھا بھائی رمیشتم بے فکر رہو......اگر تم پر آنچ آئی تو میں اپنا گھر پھونک دونگا، کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا، ابھی وہ مائی کا لال پیدا نہیں ہوا جو تمہیں شیر خان کے ہوتے ہوئے زک پہنچائے۔ مگر رکمنی کے ماما نے ضد کر کے ہمیں مجبور کر دیا۔ رخصت کے وقت ہم ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب روئے، اسلم نے رکمنی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دی۔

ہند کی سرحد میں پہنچتے پہنچتے میں بیوہ ہوگئی اور رکمنی یتیم اور بے سہارا ہوگئی اس کے پتا اور ماما دونوں مارے گئے، عورت سمجھ کر ہمیں چھوڑ دیا گیا۔ شرنارتھی کیمپ میں کچھ دن گزارنے کے بعد ہمیں یہاں اس گاؤں میں سر چھپانے کے لئے جگہ ملی۔ رکمنی جوان ہوگئی تھی۔ میں نے ہندوستانی فوج کے ایک حولدار رام سنگھ سے اس کا بیاہ کر دیا۔ بیاہ کو چند دن ہی گزرے تھے کہ سرحد پر آگ اور خون کا کھیل شروع ہو گیا۔ رام سنگھ سرحد چلا گیا ایک دن خبر ملی کہ رام سنگھ قریبی علاقے میں آیا ہوا ہے۔ رکمنی اس سے ملنے جنگل کے راستے چل پڑی۔ اسے رام سنگھ تو نہیں ملا مگر وہ پاکستانی فوج کی نظر میں آ گئی اور انہوں نے اسے قید کر کے اپنے افیسر کے پاس لے گئے۔ اتفاق سے ان کا افیسر اسلم شیر خاں تھا، اس نے رکمنی کو پہچان لیا، اور اسے بحفاظت پہنچانے کے لئے خود چلا آیا۔ ابھی وہ ہند کی سرحد کے قریب پہنچے ہی تھے کہ رام سنگھ نے رکمنی کو پہچان لیا، اس کے پیچھے اسلم کو آتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ راجپوتی آن نے گوارہ نہ کیا کہ اس کی بہوی دوسرے کے چنگل میں پھنسی ہو اور وہ تماشائی بنا رہے۔ اور ایسے وقت میں جب دوست کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ رکمنی اسلم کو اپنے حالات بتاتے ہوئے بےفکری سے ہنستی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ یہ ہنسی رام سنگھ کے غصے کی آگ پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ رکمنی کہہ رہی تھی ہاں اسلم بھیا تم اپنے جیجا جی سے مل کر خوش ہو گے........اس کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں نہ ہونے پایا کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور اسلم کا سینہ چیر گئی....پھر دوسری بھی.......رکمنی سمجھ ہی نہ پارہی تھی کہ قریب کی جھاڑی سے رام سنگھ مسکراتا ہوا نکلا اور کہا، رکمنی تم......کیوں کہو کیسا نشانہ تھا.......سالا بہت خوش تھا تمہیں پا کر........مگر میں نے........

رکمنی چیخی! یہ تم نے کیا کر ڈالا ....یہ میرا بھائی اسلم تھا۔ اور اسی وقت مخالف سمت دوسری گولی سنسناتی ہوئی آئی اور رام سنگھ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ رکمنی کچھ بھی سمجھ نہ پارہی تھی کہ یہ سب کیسے ہوا کیا ہوا۔ رام سنگھ کراہا رکمنی....... ہاں سوامی اس نے رام سنگھ کا سر گود میں رکھ لیا، اسلم کی آواز آئی بہن رکمنی........اس کا بھی سر رکمنی نے زانو پر رکھ لیا۔ کہنے لگی اسلم بھیا آنکھیں کھولو........دیکھو......رام سنگھ تم تو دیکھو یہ کون ہے میرا بھائی اسلم ہے۔ اور اسلم بھیا یہ ہیں تمہارے جیجا........اسلم نے خون بھرا ہاتھ بڑھایا۔ رام سنگھ نے اپنا خون میں لتھڑا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اٹک گئے۔ دونوں کے سر ایک طرف ڈھلک گئے، بندوقیں گر گئیں۔ دونوں کے خون بھرے ہاتھ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے تھے اور دونوں کے جسم سے بہتا خون زمین پر دھارا بن کر بہہ رہا تھا اور دھرتی ماں کی پیاس بجھ رہی تھی۔ رکمنی بھی چیخ کر لاشوں پر گری اور اور پھر اٹھ نہ سکی۔

کیا اس بات کا ذکر بھی کہیں تمہاری کتاب میں ہوگا......؟ تمہارے لکھے جانے والے واقعات میں اس بات کو بھی کہیں لکھا جائے گا؟ تمہاری تاریخ کی کتابوں میں اسے جگہ ملے گی؟ اس بات کو اس واقعے کو تم اپنی کتاب میں لکھ سکو گے۔

؟..........کیا؟..........کیا؟ (یہ افسانہ آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکا ہے)

نمونۂ کلام
سید سبحان انجم

التجا

جو بھٹک کے رہ گیا راہ میں اسے اپنی راہ دکھا بھی دے
جسے تیرے گھر کی تلاش ہے اسے اپنے گھر کا پتہ بھی دے
جو ترے خیال میں کھو گیا تری چاہتوں میں جو مٹ گیا
جسے تیرے غم نے بجھا دیا وہ چراغ دل کا جلا بھی دے
یہ خموشیاں ،یہ اداسیاں ،یہ نئ نئ سی حویلیاں
انہیں زندگی کی بہار دے انہیں آ کے پھر سے بسا بھی دے
مرے محترم ،مرے مہرباں ، مری بے بسی کا خیال کر
مجھے روشنی دے خوشی بھی دے مجھے پھر ہوا میں اڑا بھی دے
تری آرزو ، تری جستجو ، تری چاہتیں ، تری قربتیں
تجھے جب کبھی میں صدائیں دوں تو بدل میں بوئے وفا بھی دے
ترے نقشِ پا کو میں چوم لوں ،تو ملے کہیں تو میں جھوم لوں
تجھے پا کے میں بھی غنی رہوں ،مرا حال ایسا بنا بھی دے
یہ ترا کرشمہ تری خوشی ،کبھی بخش دے کبھی چھین لے
جسے چاہے پل میں بنا بھی دے جسے چاہے پل میں مٹا بھی دے
وہ خیال دے وہ زبان دے ،جو ہر ایک دل کا سرور ہو
جو تری نظر میں قبول ہو مرے لب پہ ایسی دعا بھی دے
مرے دوست انجمِ خستہ کے دلِ غم زدہ کا خیال کر
وہ نگاہِ خاص بھی کر عطا ،جو پسند ہو وہ ادا بھی دے

☆☆☆

نعت پاک

بنجر سی زمینوں کو گلزار بنایا ہے
اس نورِ مجسم نے جنت کو سجایا ہے
اس ماہِ منور کی تمثیل نہیں ملتی
بھٹکے ہوئے لوگوں کو ظلمت سے بچایا ہے
ٹوٹے ہوئے رشتوں کو کیا جوڑ دیا اس نے
بچھڑے ہوئے بندوں کو مالک سے ملایا ہے
اس شمع فروزاں سے پروانے لپٹتے ہیں
کیا چاہنے والوں میں ایثار جگایا ہے
دیدار کی حسرت میں مرتے ہیں جہاں والے
سرکارؐ کی خوشبو نے دیوانہ بنایا ہے
ہم بھول نہ پائیں گے احسان وکرم اس کا
جس نے ہمیں جینے کا انداز سکھایا ہے
آنکھوں کو ملی ٹھنڈک تسکین ہوئی انجم
وہ تحفہ عبادت کا معراج سے لایا ہے

نعت پاک

مصطفےٰؐ کے دیوانے ہر خوشی لٹاتے ہیں
مفلسی میں رہ کر بھی سب کے کام آتے ہیں
ہم غریب جیتے ہیں مصطفےٰؐ کی الفت میں
سختیاں اٹھاتے ہیں پھر بھی مسکراتے ہیں
آپؐ سے محبت ہے آپؐ سے عقیدت ہے
آپؐ کی اطاعت میں زندگی لگاتے ہیں
جب درود پڑھتے ہیں محفلوں میں دیوانے
نور کے فرشتے بھی جھوم جھوم جاتے ہیں
عاصی ہیں مگر انجم آس ہے شفاعت کی
دو جہاں کے سرور کے ہم بھی گیت گاتے ہیں

صحت منداد ب کا ترجمان
سہ ماہی عکسِ ادب اورنگ آباد
مدیرِ اعلیٰ: ڈاکٹر یوسف صابر نائب مدیر: شرجیل احمد خاں
قیمت فی شمارہ۔۴۰/روپے زرِ سالانہ۔۱۵۰/روپے
رابطہ؛ ایڈیٹر عکسِ ادب۔مکان نمبر۔2-12-36 بالمقابل نور کرن۔صوبیدار گیسٹ ہاؤس کے عقب میں۔مدینہ مسجد۔دلی گیٹ۔اورنگ آباد۔431001

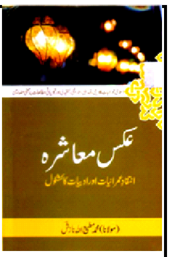

مولانا مطیع اللہ نازشؔ صاحب کی یہ تیسری تصنیف اسلامی عمرانیات کے اسلامی' دینی' تہذیبی' تاریخی' تنقیدی اور تجزیاتی مضامین کا مجموعہ ہے۔
صفحات۔۵۵۲/ قیمت۔۵۰۰/روپے
رابطہ۔آزاد میموریل پبلی کیشنز۔دارالسلام D/203 سیکٹر۔6 مرکت نگر
C.D.A, Cuttack-753014(odisha)

غزلیات

چاند میں چہرہ، پھول میں خوشبو رنگ بھی تیرے جیسا تھا
منزل منزل تیرے لئے تھی ،رستہ رستہ تیرا تھا
سورج کو ہم ہاتھ میں لے کر بستی بستی گھومے تھے
لیکن اپنے واسطے کس نے دل کے در کو کھولا تھا
اس نے کتابِ زیست لکھی تھی میں نے اپنا نام دیا
وہ ہی چھپا تھا میرے اندر میں تو اس کا چہرا تھا
صبح سویرے آنگن آنگن شام شفق کے گھیرے میں
اپنے آپ میں ڈوبنے والا میرے جیسا تنہا تھا
ویراں ویراں شہر ملیں گے آگ کا دریا آئے گا
دیکھ سنبھل کر چلنا انجم اسے یہ سمجھایا تھا

☆☆☆

یہ گرم ریت اور آبلے اب ہر قدم دشوار ہے
دو پاؤں کو سر پر اٹھالو ہر روش پر خار ہے
بس اے جنوں رسوا نہ کر یہ محفلِ اغیار ہے
مت کھولنا اپنی زباں وہ شخص عزت دار ہے
اونچی عمارت ڈھ گئی بکھرے ہوئے ہیں سنگ وخشت
کم زور تھی بنیاد صاحب اس سے کب انکار ہے
اک بورڈ پر لکھے ہویے تھے فالتو چیزوں کے بھاؤ
گودام میں کیا سڑ رہا ہے سیٹھ واقف کار ہے
سب سو گئے ہیں تان کران دستکوں کا کیا قصور
اب کس کے گھر جائیں گے انجم ہر جگہ انکار ہے

☆☆☆

اے دوست کبھی بھول سے لہجہ نہ بدلنا
شہرت کی بلندی پہ سلیقہ نہ بدلنا
تم اپنے بزرگوں کا طریقہ نہ بدلنا
مشکل بھی اگر آئے تو رستہ نہ بدلنا
کاسے میں وفاؤں کا صلہ مانگنے والے
مٹ جانا مگر یار سے رشتہ نہ بدلنا
مشکل سے مرے گاؤں کا ماحول بنا ہے
تم پھر سے مرے گاؤں کا نقشہ نہ بدلنا
دنیا میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
تم عشق ومحبت کا وظیفہ نہ بدلنا

☆☆☆

یہ گرم ریت اور آبلیاب ہر قدم دشوار ہے
دو پاؤں کو سر پر اٹھالو ہر روش پر خار ہے
بس اے جنوں رسوا نہ کر یہ محفلِ اغیار ہے
مت کھولنا اپنی زباں وہ شخص عزت دار ہے
اونچی عمارت ڈھ گئی بکھرے ہوئے ہیں سنگ وخشت
کم زور تھی بنیاد صاحب اس سے کب انکار ہے
اک بورڈ پر لکھے ہوئیتے فالتو چیزوں کے بھاؤ
گودام میں کیا سڑ رہا ہے سیٹھ واقف کار ہے
سب سو گئے ہیں تان کران دستکوں کا کیا قصور
اب کس کے گھر جائیں گے انجم ہر جگہ انکار ہے

☆☆☆

رات آنکھوں میں کٹی خواب کے منظر ٹوٹے
دھوپ نکلی تو کئی غم کے سمندر ٹوٹے
وقت پر آپ نہ آئیں تو قیامت گزرے
آپ آئیں تو شب وروز کا نشتر ٹوٹے
اپنی نادیدہ وری سے کبھی پوچھیں گے سبب
آخری وقت میں کیوں چاند سے پتھر ٹوٹے
ہم نے یونہی کسی حق بات کا اعلان کیا
ایک طوفاں کی طرح لوگ تو ہم پر ٹوٹے
آج بھی اونچی اڑانوں کی تمنا ہے مگر
کیسے بتلائیں مرے دوست کہ شہپر ٹوٹے
پھر ترے شہر کے باشندے کہاں جائیں گے
پا بہ زنجیر ہوئے جن پہ ستم گر ٹوٹے

☆☆☆

آئینہ بار بار دکھایا نہ کیجئے
ہم رو پڑیں گے دیکھنا ایسا نہ کیجئے
ساحل کے آس پاس ملے ٹھیک ہے مگر
ہم ڈوبنے لگیں تو کنارا نہ کیجئے
غیروں سے مانگنے کا ارادہ فضول ہے
اپنوں سے بھول کر بھی تقاضا نہ کیجئے
پانی پہ گھر بنایئے یا آسمان پر
کم ظرف ٹہنیوں پہ گزارا نہ کیجئے
اس کے بغیر کچھ بھی نہیں کائنات میں
اس کے علاوہ کوئی تمنا نہ کیجئے
انجم ہماری طرح وہ مشغول ہو گئے
راتوں میں جگنوؤں کو پکارا نہ کیجئے

☆☆☆

آئینہ بار بار دکھایا نہ کیجئے
ہم رو پڑیں گے دیکھنا ایسا نہ کیجئے
ساحل کے آس پاس ملے ٹھیک ہے مگر
ہم ڈوبنے لگیں تو کنارا نہ کیجئے
غیروں سے مانگنے کا ارادہ فضول ہے
اپنوں سے بھول کر بھی تقاضا نہ کیجئے
پانی پہ گھر بنایئے یا آسمان پر
کم ظرف ٹہنیوں پہ گزارا نہ کیجئے
اس کے بغیر کچھ بھی نہیں کائنات میں
اس کے علاوہ کوئی تمنا نہ کیجئے
انجم ہماری طرح وہ مشغول ہو گئے
راتوں میں جگنوؤں کو پکارا نہ کیجئے

☆☆☆

یہ چار دن کا اجالا شباب جیسا ہے
ہماری زیست کا عنواں بھی خواب جیسا ہے
ترے بغیر تو اک پل بھی جی نہیں لگتا
ترے بغیر تو جینا عذاب جیسا ہے
ہماری تشنہ لبی ہم کو کھا گئی جیسے
ہمارے عشق کا حاصل سراب جیسا ہے
ابھی تو فاصلہ قائم ہے درمیاں اپنے
ابھی تو دید کا عالم حجاب جیسا ہے
کسی نے چوم لیا اور بھلا دیا انجم
ہمارا حال مقدس کتاب جیسا ہے

☆☆☆

کتنا ہمدرد ہے خوابوں سے جگانے والا
میرے بنتے ہوئے نقشوں کو مٹانے والا
زندگی زخم نہ دے پھر کوئی انعام نہ دے
اب نہیں میرا کوئی بوجھ اٹھانے والا
اپنی پہچان کو ترسے گا ہمارا چہرہ
اور جھنجھلائے گا آئینہ دکھانے والا
مصلحت جیسے زباں بند کیے دیتی ہے
رک گیا ہے ترا پیغام سنانے والا
آئینہ بن کے مرے سامنے آیا ہے مگر
ٹوٹ جائے نہ کہیں عکس دکھانے والا
روز اخبار میں آتی ہے فسادوں کی خبر
کیا نئی بات بتائے گا بتانے والا
وہ بھی محفوظ نہیں کانچ کے گھر میں انجم
میری گرتی ہوئی دیوار گرانے والا

☆☆☆

کرتے ہیں مرے دوست شروعات کہاں سے
پھر سامنے آتے ہیں مفادات کہاں سے
اے چاند بسائے گا مکانات کہاں سے
لائے گا تو قدموں کے نشانات کہاں سے
سورج سے متاثر جو ہوا ڈوب گیا ہے
نابینا پرندے ترے دن رات کہاں سے
مزدور تو گھر بیٹھ کے بھوکا ہی مرے گا
بے وقت ہوئی آج یہ برسات کہاں سے
ہم بھی تو کسی شخص سے روئے نہ لپٹ کر
پھر ہوگا کوئی واقفِ حالات کہاں سے
دھرتی سے بہت دور ہیں آکاش کے جگنو
انجم سے کرے کوئی سوالات کہاں سے

☆☆☆

ملتا ہوں ہر کسی سے مگر عاجزی کے ساتھ
وابستہ زندگی ہے مری دوستی کے ساتھ
کیا بات ہے کہ ہم نے محبت کی راہ میں
سب کچھ لٹا دیا ہے بڑی سادگی کے ساتھ
وہ خوش نصیب ہیں جنہیں ہوتا ہے غم نصیب
ایسی نوازشیں ہیں کہاں ہر کسی کے ساتھ
اک آپ کے خیال سے روشن رہی حیات
میری تو ساری عمر کٹی آپ ہی کے ساتھ
انجم تری تلاش میں تھکتے نہیں کبھی
پھر چل پڑے ہیں آج اسی تازگی کے ساتھ

☆☆☆

آنکھوں کے اشارے پہ محفل سے اٹھا دینا
ہلکے سے تبسم پر اتنی نہ سزا دینا
پھر تازہ ہواؤں میں اڑنے کو ترستے ہیں
مظلوم پرندوں کو ہاتھوں سے چھڑا دینا
میں وصفِ کرم رکھوں تم مشقِ ستم کرنا
میں نقش بناؤں تم پیروں سے مٹا دینا
انصاف پسندوں کی صف میں بھی خموشی ہے
منصور کی رخصت پر دو اشک بہا دینا
دل پیار کا بھوکا ہے کیا بھیک ملے اس کو
کس شہر میں لے جائیں کس گھر کا پتہ دینا
گہنایا ہوا سورج انجم سے یہ کہتا ہے
بے داغ نہیں کوئی آئینہ دکھا دینا

☆☆☆

رباعیات

یہ ہاتھ، یہ کاغذ، یہ قلم اس کا ہے
یہ نورِ تخیل، یہ رقم اس کا ہے
کیا دیکھوں، سوچوں، بولوں اس کے سوا
میں کچھ بھی نہیں مجھ پہ کرم اس کا ہے

کچھ اپنی محبت پہ بھروسہ رکھیے
سرکار کی نسبت پہ بھروسہ رکھیے
مایوس نہیں ہوتے خدا کے بندے
اللہ کی رحمت پہ بھروسہ رکھیے

دنیا میں محبت سے عداوت بدلے
تدبیر سے انسان کی قسمت بدلے
جیتے ہیں یہاں لوگ تو ہمت والے
ان کے لئے اللہ کی قدرت بدلے

دنیا میں انہیں شمس و قمر ملتے ہیں
ماں باپ کی خدمت میں ثمر ملتے ہیں
تم اپنے ماں باپ کی قیمت جانو
بازار میں یہ لوگ کدھر ملتے ہیں

ہر چیز کی تاثیر بدل جاتی ہے
ہر شخص کی تصویر بدل جاتی ہے
انسان اگر خود کو سمجھ لے پہلے
انسان کی تقدیر بدل جاتی ہے

مولیٰ مجھے جینے کا سلیقہ آیے
سرکارؐ کا تھوڑا سا طریقہ آیے
مل جائے ترے پیار کی خوشبو یارب
آپس میں محبت کا قرینہ آیے

اک شخص سدھر جائے تو سدھرے گھربار
اک شخص بگڑ جائے تو بگڑے سنسار
جب خوف خدا دل سے نکل جاتا ہے
انسان کا ہو جاتا ہے جینا دشوار

تجھ کو جو پسند آئے طریقہ اچھا
تعریف کے قابل ہے قرینہ اچھا
یہ سچ ہے روح خوش تو اللہ بھی خوش
مرشد نے بتایا ہے کہ وظیفہ اچھا

سچے دل کی قیمت کرنا سیکھے
رشتوں کی وہ عظمت کرنا سیکھے
انسان کو عزت کی تمنا ہے اگر
اوروں کی وہ عزت کرنا سیکھے

قطعات

بارِ غم آپ کیوں اٹھاتے ہیں
یہ مرا حق ہے یہ مرا حصہ
بے سبب آپ کیوں الجھتے ہیں
آپ کا اور میرا کیا رشتہ

چاند تاروں نے ساتھ چھوڑ دیا
یہ زمیں راستہ نہ دے پائی
جب تمہارا بھی آسرا نہ ملا
مجھ کو راس آ گئی یہ تنہائی

روشنی در بدر پھراتی ہے
تیرگی ٹھوکریں کھلاتی ہے
پھر بھی ہم ڈھونڈتے ہیں منزل کو
جستجو حوصلہ بڑھاتی ہے

چلیں تو راہ گزر راستہ نہیں دیتی
رکیں تو گردشِ دوراں ہی رک گئی جیسے
تلاش کرتے ہیں ہم اپنے آپ کو لیکن
تمہیں بتاؤ کہ ہم خود کو پائیں گے کیسے

ترس گئی ہیں نگاہیں خوشی خوشی کے لیے
تڑپ رہی ہے ہر اک جان زندگی کے لیے
کسی جگہ بھی میسر نہیں سکوں اے دوست
یہی مقامِ تفکر ہے آدمی کے لیے

آپ اپنے سے ہو گئی بے زار
ایسی بے گانگی کو کیا کہیے
رات سمجھے نہ دن کو دن سمجھے
ایسی دیوانگی کیا کہیے

دلوں کو پیار، محبت کی زندگی دے دو
پڑوسیوں کو غریبوں کو ہر خوشی دے دو
جیو تو پیار کے سورج کی طرح دنیا میں
خدا کے واسطے ہر گھر کو روشنی دے دو

جہاں آباد رکھنا
دلوں کو شاد رکھنا
خدا تم کو خوشی دے
دعا میں یاد رکھنا

ہم نشیں ٹھیک نہیں سوچو تو
یہ زمیں ٹھیک نہیں سوچو تو
جس سے ملتے ہیں الجھ جاتے ہیں
ہم کہیں ٹھیک نہیں سوچو تو

غـــــزلیـــــات

عبدالمجید فیضی سمبلپوری

12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,

اب کسی سے کیجیے کیوں کر وفا کی آرزو
محرمِ ہم داستاں کی بے محل ہے جستجو
دوستوں کی دوستی کا کیا بھروسا آج کل
دشمنوں سے دوستی کی کیجیے کیا آرزو
ہے کہاں مہر و مروت، کون ہے شیر و شکر
اب کہاں وہ باہمی خلق و شغف کی گفتگو
ہیں ادب نا آشنا اس دور کے چھوٹے بڑے
تُرش روئی، تلخ گوئی ہو چلی ہے روبرو
نیند آتی ہے نہ محلوں میں رئیسوں کو کبھی
ہر غریب انسان اپنی کٹیا میں ہے سرخرو
کاش اپنی ماؤں بہنوں کا انھیں آیے خیال
لوٹتے ہیں جو مہیلاؤں کی عزت آبرو
سو بہ سو ہے کُشت و خوں کی گرم بازاری سدا
کس قدر سستا ہے فیضی بے گناہوں کا لہو

قدیر احمد قدیر

NaveedManzil.K.M.Balkundri
LIG-II-LE-9,KrishnaColony
Hulkoti-582205,Dt:Gadak(Karnataka)

جو تھے حوالے زیست کے سب معتبر گئے
کردار اپنی موت یہاں آپ مر گئے
منزل تلاش کرتی رہی ان کو رات دن
"جو زندگی کے راستے ہموار کر گئے"
دیکھے تھے اپنی آنکھوں نے کتنے حسین خواب
ایک ایک کرکے خواب وہ سارے بکھر گئے
جن موسموں میں ہوتے تھے نخلِ امید ہرے
دل کی زمیں سے ہوکے وہ موسم گزر گئے
رکھا جو ہم نے آئینہ اک روز روبرو
کتنے حسین لوگوں کے چہرے اتر گئے
صحرا نوردی راس جسے آگئی قدیر
آوارہ بادلوں کی طرح وہ گزر گئے

ڈاکٹر مسعود جعفری

PlotNo-80-29-12-14
SatyaColonyShaikhpet
Hyderabad-500008

تو بھی ہمارے دور کا نمرود ہی تو ہے
ہر گام پہ بچھا ہوا بارود ہی تو ہے
پہرہ لگا ہوا ہے ابھی فوج کا وہاں
اس کی گلی کا راستہ محدود ہی تو ہے
لگتا ہے ساری کشتیاں غرقاب ہوگئیں
لیکن انھیں نکالنے معبود ہی تو ہے
کیسے مجھے ڈرایے گی ظلمات کی فضا
مجھ میں ذرا سی روشنی موجود ہی تو ہے
کیسے دکھائی دے گا ستاروں کا قافلہ
آنکھوں کا ہائے دائرہ محدود ہی تو ہے
اس کے گلے پہ جان چھڑکتا ہے جعفری
نغمات کے بہاؤ میں داؤد ہی تو ہے

اظہر نیّر

Villa:Barhulia,KansiSimri
Dist:darbhnga-847106(Bihar)

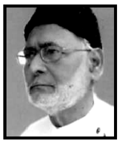

رخ کسی سمت موڑ کر دیکھو
اس کے کوچے کو چھوڑ کر دیکھو
تر لہو سے تمہارا دامن ہے
اپنا دامن نچوڑ کر دیکھو
بندگی میں خدا کو پالیں گے
تم گناہوں کو چھوڑ کر دیکھو
شور ہوگا نہ کوئی ہنگامہ
'دل کے شیشے کو توڑ کر دیکھو'
پھر بہاریں سمجھ میں آئیں گی
سایۂ گل کو چھوڑ کر دیکھو
اس کے کوچے میں ساتھ نیّر کے
جاؤ سر اپنا پھوڑ کر دیکھو

ڈاکٹر بدر محمدی

ChandpurFateh.P.O:Baryiarpur
Dist:Vaishali(Bihar)

ساحل کی سمت اور نہ کسی لہر کی طرف
سیلِ رواں ہے رخ لیے ایک نہر کی طرف
شاید کہ ربط و ضبط نہیں حال سے اسے
وہ گامزن ہے اور کسی دہر کی طرف
سنتے ہیں آس پاس ہے اک دودھ کی ندی
چلیے کہ چل کے دیکھیں ذرا نہر کی طرف
اس وجہ سے بھی لوگ ہیں محوِ سفر اُدھر
لگ جایے ہاتھ شہد کہیں زہر کی طرف
آ کر ٹھہر گئی وہ نگاہوں کے روبرو
ہم نے جو بھیجی دھند مہ و مہر کی طرف
ہر لہر شعرِ بدؔر کی زیریں ہے اس لیے
دنیا کی ہے نگاہ انھیں لہر کی طرف

عزیز بلگامی

No,K-102.1.2SaleemManzil
1stFloor.1stMain.2ndCross
VenkatgowdaLayout.
Bangalore-560024

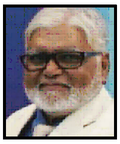

جن کا ہے میری فکر سے انکار کا مزاج
ان سے گریزاں ہے مرے اشعار کا مزاج
اس کا مزاج کیسے ہو غم خوار کا مزاج
رکھتا ہے حکمران جو خوں خوار کا مزاج
پہلی سی التفات، نہ رغبت، نہ جستجو
کیوں کر خفا خفا ہے مرے یار کا مزاج
سایے کی جستجو بھی ضروری تو ہے مگر
پہلے ذرا سا پوچھیے دیوار کا مزاج
کیوں جنگجوؤں نے شب سے بغاوت کی ٹھان لی
کیا جانتے نہیں یہ شبِ تار کا مزاج
میرا یہ احتیاطِ سخن بے سبب نہیں
میں جانتا ہوں وقت کی سرکار کا مزاج
اس درجہ احترام کے قابل نہ تھا عزیز
کیا سب پہ کھل گیا مرے افکار کا مزاج؟

مرغوب اثرؔ فاطمی

Road No-7. MohallaAliganj
Gaya-823001(Bihar)

ملیں گے ہر گلی میں ناک نقشہ دیکھنے والے
بہت کم ہیں کسی کے دل کا جذبہ دیکھنے والے
نہ کر رسوا سرِ بازار مجھ کو میری جرأت پر
چلے آئیں گے دوڑے بے تحاشا دیکھنے والے
اٹھائیں انگلیاں اپنا گریباں جھانک لیں پہلے
ہماری جہد میں خامی کا تنکا دیکھنے والے
جلن سورج، کیچڑ کی سڑن بھی جھیلنے ہوں گے
گھروں میں بیٹھ کر آفاقی شجرہ دیکھنے والے
گھما کر منہ ابھی ہنستے ہیں میری موشگافی پر
کریں گے ہم نوائی مجھ کو بھولا دیکھنے والے
ادب کے تاجروں نے فکر کے میلے لگائے ہیں
اثرؔ نایاب ہیں فن کا سلیقہ دیکھنے والے

نیاز نذرؔ فاطمی

Al-NOOR Manson.
Opp:MahavirCancerSansthan
PhulwariSharif.Patna-801505

مرادوں کا کھنڈر ہے اور میں ہوں
دعائے بے اثر ہے اور میں ہوں
تہی دامن مگر امیدِ پیہم
ابھی تک بام پر ہے اور میں ہوں
کبھی تو زاویہ ہوگا موافق
ستاروں پر نظر ہے اور میں ہوں
بہت وزنی ہے ارمانوں کی گٹھری
حیاتِ مختصر ہے اور میں ہوں
سرِ تسلیم خم تھا میرے آگے
وہ اب بیداد گر ہے اور میں ہوں
گندھے ہیں صبر کے دھاگے میں موتی
بکھر جانے کا ڈر ہے اور میں ہوں
ستم ہر روز نذرؔ اس بے وفا کا
بہ اندازِ دگر ہے اور میں ہوں

ارشد مینانگری

51-Mominpura.SurveyNo-19
Malegaon(Nasil)

دل سے کھیلو دل کا کھیل
دل سے ہوگا دل کا میل
دھک دھک دھک دھک جیون بھر
چلتی جائے دل کی ریل
دل میں آئے جائے دل
کتنا پیارا دل کا کھیل
دل سے دل شرما جائے
دل ہے چھوئی موئی بیل
بس جاتا ہے جیون میں
جیون ہے کیا دل کی جیل
دم دم جلتا رہتا ہے
جیون دیپ کا دل ہے تیل
ارشدؔ دل کا لطف اٹھا
دل ہے کھٹی میٹھی بھیل

حنیف نجمی

FaisalVilla.Naya Para
Dhamtari-493773(CG)

بچ سکے کب وہ بھی جو تھے ناز کے پالے ہوئے
دھوپ کچھ ایسی تھی چہرے سب کے سب کالے ہوئے
بند ہوں آنکھیں تو دنیا صاف آتی ہے نظر
ہم یوں ہی آنکھوں پہ پردہ تو نہ تھے ڈالے ہوئے
کیجئے کیا ان سے اخلاق و مروت کی امید
یہ ہیں سب کے سب نئی تہذیب کے پالے ہوئے
ظلمتو! تم سے کوئی شکوہ گلہ ہم کو نہیں
آفتِ جاں خود ہماری آنکھ کے جالے ہوئے
کون مانے گا کہ کیا ہے تو نے صحرا کا سفر
تن ہوا میلا نہ تیرے پاؤں میں چھالے ہوئے
آج کے دورِ ہوس میں دیکھا نجمیؔ آپ نے
کیسے کیسے لوگ ان کے چاہنے والے ہوئے

محمد عدیلؔ منصوری

NearManautaSchool
BankiTown
Barabanki-225001(U.P)

زمیں والے شہہ کون و مکاں کی بات کرتے ہیں
"فرشتے ان کے سنگِ آستاں کی بات کرتے ہیں"
کسی کی فکر دنیا ہے، کسی کی فکر عقبیٰ ہے
مگر اہلِ نظر دونوں جہاں کی بات کرتے ہیں
تڑپ ہو دل میں منزل کی پہنچنا پھر تو آساں ہے
بھٹکنے والے تو وہم و گماں کی بات کرتے ہیں
یہ ہمت حوصلہ ہے یا تخیل کی بلندی ہے
زمیں پر رہ کے بھی جو آسماں کی بات کرتے ہیں
جہنم کے عذابوں سے ڈراتے ہیں بہت واعظ
کہاں رہتے ہیں یہ سب اور کہاں کی بات کرتے ہیں
عدیلؔ ناتواں راہوں میں ان کی دل بچھاتا ہے
جہاں پر لوگ سب امن و اماں کی بات کرتے ہیں

مضطر افتخاری

IftekharStore.168/X,Keshab
ChamdraSenSyreet.
Kolkata-700009(W.B)

رواں دواں ہے زندگی مگر کہاں خوشی میاں
اسیرِ رنج و غم یہاں ہر ایک آدمی میاں
قدم قدم پہ سازشیں، نظر نظر پہ بندشیں
نصیب میں لکھا ہے کیا کرب و بے بسی میاں
تمھیں کسی سے کیا غرض تم اپنے حال میں ہو مست
ڈبو نہ دے تمھیں کہیں تمہاری بے بسی میاں
تم ایک انا پرست ہو، ہمیں عزیز عاجزی
نبھے گی کس طرح سے پھر ہماری دوستی میاں
کبھی خیالِ یار تھا، کبھی طلب تھی دید کی
گزر گئی اسی طرح ہماری زندگی میاں
خیال بن کے آتا ہے وہی تو میرے شعر میں
دیا ہے جس نے بے طلب شعور و آگہی میاں
مٹا دے عشقِ یار میں تو خود کو مضطرؔ حزیں
یہی ہے شانِ عاشقی، یہی ہے بندگی میاں

ڈاکٹر مقبول منظر

MuslimNagar.Daltonganj
Dist-Palamu-822101(Jharkhand)

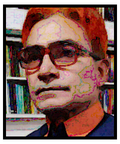

جو مسئلہ ہے اس پہ کھلی گفتگو تو ہو
آپس میں فیصلہ ہو مگر روبرو تو ہو
باطل کے ہر گمان سے مل جائے گی نجات
دل میں حصولِ حق کی مگر آرزو تو ہو
پانی کی جس سے آس تھی نکلا وہی سراب
تسکینِ تشنگی کی کوئی آبجو تو ہو
باتیں کریں گے تجھ سے وہ تیرے ہی کام کی
آمادہ پہلے ان کی سماعت پہ تو تو ہو
پیغامِ امن لے کے تو نکلے ہیں ہم ضرور
ماحول خوشگوار ذرا چار سو تو ہو
میں اس نظر کی دعوتِ رنگیں کروں قبول
اس شوخ میں خلوص و محبت کی بو تو ہو
منظرؔ چلے ہو دوست بنانے اسے مگر
تائب عداوتوں سے تمہارا عدو تو ہو

اشرف یعقوبی

C/O:Dr.Nawab Ashraf
6/2/H/1,K.B.1stLane.Narkeldanga
Kolkata-700011(W.B)
Mob-9903511902

یوں میرے شوقِ دید کو رسوا نہ کیجیے
دلہن کی طرح خواب میں آیا نہ کیجیے
شخصیتیں جو لائقِ صد احترام ہیں
ان سے سلوک آپ شریفانہ کیجیے
لعنت کی دھول آپ کے رخ پر بھی آئے گی
کچی سڑک پہ آکے تماشا نہ کیجیے
لکھا ہوا ہے ڈوبنا جس کے نصیب میں
اس آفتابِ وقت کی پوجا نہ کیجیے
کاغذ مسک رہا ہے پرانی کتاب کا
اس کو زیادہ آپ مروڑا نہ کیجیے
رہتے ہیں خاروخس کے مکانوں میں آپ اگر
بہتر یہ ہے کہ آگ سے کھلا نہ کیجیے
بے حرمتی نہ آپ کے سجدوں کی ہو کہیں
اشرفؔ ہر اک مقام پہ سجدہ نہ کیجیے

مناظر احسن رضوی

C/O:MillatAcademy.
Near QabristanChowk.
Hazaribagh-825301(Jharkhand)

گلابوں سا مجھ کو کھلایا ہے ماں نے
مجھے خوشبوؤں میں بسایا ہے ماں نے
خدا کی قسم اپنی ہمت کے بل پر
ہنرمند مجھ کو بنایا ہے ماں نے
خدایا تری رحمتوں کا ہوں خوگر
برائی سے مجھ کو بچایا ہے ماں نے
بزرگوں کی تکریم انسانیت ہے
یہ نسخہ بھی مجھ کو بتایا ہے ماں نے
مرے گھر کے ہر گوشۂ تیرگی میں
چراغِ مسرت جلایا ہے ماں نے
تری زندگی میں اجالے ہوں احسنؔ
ترے گھر کو جیسے سجایا ہے ماں نے

سید بصیر الحسن وفا نقوی

BilalHouse
4/114,NaglaMohalla
CivilLine.Aligarh(U.P)
Mob-9219782014

تیرے چہرے پہ پھول کھلا لگتا ہے
تیری آنکھوں مگر رنگ عزا لگتا ہے
صرف ہاتھوں کو اٹھانا ہی نہیں ہے خواہش
تجھ کو گرتا ہوا آنسو بھی دعا لگتا ہے
پھر ترے حسن سے ہونے لگی وحشت ہم کو
پھر ترا حسن زمانے سے جدا لگتا ہے
اس سے پہلے تو نہ تھی تجھ کو تلاشِ دنیا
تو مرے شہر میں اس بار نیا لگتا ہے
تیری تفہیم کی کوشش میں لگی ہے تنقید
شعر در شعر ترا عکس چھپا لگتا ہے
دھیرے دھیرے ہی پتہ لگتی ہے قیمت اس کی
پہلے پہلے تو ہر اک شخص بھلا لگتا ہے

مسعود تنہا

Editor,Fikr-E-Nau.CircularRoad
Sahiwal-40210.Dis:Sargodha
Pakistan

وقفِ آلام ہوگیا ہوں میں
صورتِ شام ہوگیا ہوں میں
تیری بستی میں اور کوچے میں
کتنا بدنام ہوگیا ہوں میں
پہلے تھا میں کسی نتیجے پر
اب تو ناکام ہوگیا ہوں میں
کام کرتا ہوں اتنی عجلت سے
طشت از بام ہوگیا ہوں میں
میری بولی لگا رہے ہو تم؟
اتنا بے دام ہوگیا ہوں میں

سراج زیبائی

1stFloor.AnandraoBadavane
1stCross.Shivamogga-577205

مرے لہو کے لیے اک جہاں پکارے گا
زمیں پکارے گی یہ آسماں پکارے گا
قدم قدم پہ جلاؤں گا میں لہو کا چراغ
اندھیری رات میں جب کارواں پکارے گا
اسے یقین کے آبِ حیات سے بھر دو
وگرنہ وہم کا خالی کنواں پکارے گا
پلے تھے پھول بہاروں کی گود میں لیکن
کسے خبر تھی کہ دورِ خزاں پکارے گا
مرے لہو کو ستاروں کی مانگ میں بھر دو
شفق کے رنگ کو جب آسماں پکارے گا
اسی یقین پہ گزری تمام عمر سراجؔ
کبھی تو مجھ کو مرا مہرباں پکارے گا

کے انیس اظہر

374,KhateebStreet.Periapet
Vaniyambadi.Dist:Vellore-635751

پا بہ زنجیر تشنہ کام آیا
ناگہاں گردشوں میں کام آیا
درگزر نے پکڑ لیا دامن
جب کبھی وقتِ انتقام آیا
اک پرندہ کہ تھا سرِ افلاک
وہ پرندہ بھی زیرِ دام آیا
جھڑ گئے پاؤں کے سبھی کانٹے
ایک مدت پہ وہ مقام آیا
ہائے وہ دوست تھا انیسؔ اپنا
دور رہتے ہویے بھی کام آیا

حیدر مظہری

Markaz-E-AdabUrduLibrary
DhobiGhatRoad.Azadnagar
CowlBazar.Bellary-583102(Karnatak

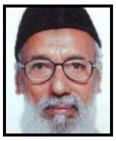

جھوٹ ہے اور حق پہ بھاری ہے
یہ زمانے کی سحر کاری ہے
روز کرتے چلے ہیں سمجھوتہ
آخرش زندگی ہماری ہے
بے خبر ہے مآل سے دنیا
ہر کسی پر نشہ سا طاری ہے
ماحصل ہے سو ایک مایوسی
کیسی فصلوں کی آبیاری ہے
آنسوؤں کا مژہ پہ رک جانا
راز ہے حسنِ پردہ داری ہے
اور دل کے مرکبات ہیں کیا
فخر ہے خوئے انکساری ہے
لوگ ملتے ہیں آج بھی حیدرؔ
آج بھی رسمِ غم گساری ہے

علیم طاہر

Mominpura.SrNo-19.H.No-51
Malegaon.Nasik-423203

خود سے نکل کے خود سے ملا آگے بڑھ گیا
ہر لمحہ مرا چاند ہوا آگے بڑھ گیا
دیکھا ہی نہیں پیچھے کبھی مڑ کے دوستو
آگے ہی چلا اور چلا آگے بڑھ گیا
مجھ کو خریدنے کے لیے میں ہی تھا کھڑا
تھوڑا سا مول بھاؤ کیا آگے بڑھ گیا
اس نے ہوا کے جھونکوں میں تحلیل کر دیا
سگریٹ سا پیا مجھ کو اور آگے بڑھ گیا
آنکھوں میں آبسا ہے تو ہی نور کی طرح
ہونٹوں کو میرے چوم لیا آگے بڑھ گیا
تاریکیوں میں بن کی ہی طاہرؔ کے واسطے
خوش رنگ جھلملاتا دیا آگے بڑھ گیا

مشتاق دربھنگوی

BasaiPatti.Majhaulia.Laheria
Sarai.Darbhanga-846002(Bhar)

دھوپ میں جلتا ہوا سب کا برہنہ سر ملا
اپنا گھر رہتے ہویے ہر آدمی بے گھر ملا
ہلِ ثروت کے یہاں تو سب مصاحب ہی ملے
گھر یتیموں کے گئے تو خالقِ اکبر ملا
سنگ ریزوں کے سوا ہے آپ کے دامن میں کیا
ہم فقیرِ شہر کے کشکول میں گوہر ملا
سرزمینِ کولکاتا کا بڑا احسان ہے
مجھ کو جو کچھ بھی ملا اس شہر میں رہ کر ملا
شرم کا باعث ہوا سارے گھرانے کے لیے
داغ بدنامی کا جو اس کے دوپٹے پر ملا
جب نظر میری پڑی مشتاقؔ اپنے عیب پر
مجھ کو ہر انسان میری ذات سے بہتر ملا

علیم الدین علیم

P-69,MudialyRoad
P.P:GardenReah.Kolkata.700024

ہے کوئی بات یقیناً نصاب کے پیچھے
سوال تن کے کھڑا ہے جواب کے پیچھے
یہ اور بات کہ گلشن کو ناز ہے اس پر
مگر ہیں سیکڑوں کانٹے گلاب کے پیچھے
میں اس کے سامنے رسوا کبھی نہیں ہوتا
چھپا ہوا ہوں جنوں کی کتاب کے پیچھے
بجھے گی پیاس نہ ہرگز قریب جا کر بھی
مگر وہ بھاگ رہا ہے سراب کے پیچھے
کہاں ہے نیند کے صحرا میں چھوڑنے والا
بھٹک نہ جاؤں کہیں میں بھی خواب کے پیچھے
علیمؔ جلوہ نگاہوں میں کس طرح آتا
چھپا تھا حسن کسی کا حجاب کے پیچھے

ابرار بریلوی

Mob-8445315127

جیتے جی سوگ یہ میرا کیوں ہے
تم نے زلفوں کو بکھیرا کیوں ہے
میں اگر پوچھوں تو شکوہ ہوگا
میرے حصے میں اندھیرا کیوں ہے
جس جگہ رہتی تھیں امیدیں وہاں
ناامیدی کا بسیرا کیوں ہے
جانے کیا بات ہے محسوس یہی کرتا ہوں
خوشنما آج سویرا کیوں ہے
جب نہیں تجھ سے تعلق کوئی
پھر ترے کوچے کا پھیرا کیوں ہے
کوئی مجھ کو یہ بتایے ابرارؔ
رہنما آج لٹیرا کیوں ہے

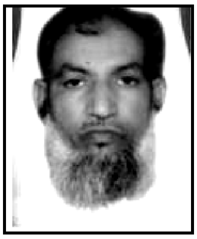

تنویر اختر رومانی
59-ChunaShahColony
P.O:Mango
Jamshedpur-831012
Mob-7004384853

عابد نقوی کی شگفتہ تحریریں

اس جہانِ رنگ وبُو میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے کسی نہ کسی کارنامے سے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔کوئی اپنی ذاتی شخصیت سے تو کوئی اپنے طرزِ عمل سے،کوئی اپنی دولت سے تو کوئی اپنی وجاہت سے،کوئی اپنی سیاست سے تو کوئی اپنی قیادت سے،کوئی اپنی حرفت سے تو کوئی اپنی صنعت سے،کوئی تقریر سے تو کوئی اپنی تحریر سے۔معاشرتِ انسانی کو متاثر کرنے کے کئی مصادر ہیں۔

عابد نقوی کا شمار ہم آخرالذکر زمرے میں بلا تامل کر سکتے ہیں۔''چنار پر فاختہ'' منظرِ عام پر لاکر واقعتاً انہوں نے اپنی نثری تحریر سے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ ہم تو انہیں بس ایک شاعر کی حیثیت سے ہی جانتے تھے۔میرے علم میں اتنا تھا کہ وہ دو شعری مجموعوں ''کتابِ عقیدت'' (۲۰۱۲) اور ''ضربِ تبسم'' (۲۰۱۹) کے خالق و مالک ہیں۔ان کا کوئی نثر پارہ میری نگاہ کی زد میں نہیں آیا تھا۔حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ نثر میں بھی اپنی جولانیِ طبیعت کا ثبوت دیں گے،وہ بھی متاثر کن شگفتگی کے ساتھ۔

زمانہ جانتا ہے کہ عابد نقوی ایک ایسے خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جو رضا نقوی واہی جیسے سنجیدہ مزاح نگار سے منسوب ہے۔شاید یہ بات بھی کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ عابد نقوی،واہی مرحوم کے ہی خلفِ رشید ہیں۔مشفق و مدبّر باپ کا مالی سرمایہ ورثے میں تو انہیں ملا ہی ہوگا علمی و فکری،شعری و نثری داعیہ بھی ورثہ میں قابلِ رشک طور پر ملا ہے۔

گرچہ ''چنار پر فاختہ'' کی مختلف تحریروں کی قرأت کے دوران یہ مختصر مختصر ہیں لیکن فکری اور فنی اعتبار سے وزن دار ہیں۔رشک آتا ہے ان چھوٹی چھوٹی درد انگیز کہانیوں کو پڑھ کر۔ان کہانیوں میں جہاں بے پناہ سنجیدگی پائی جاتی ہے وہیں کچھ کہانیوں میں طنزیہ نشتر کی چبھن اور مزاح کی چاشنی کا مزہ بھی ملتا ہے۔اور کیوں نہ ہو،موصوف طنز و مزاح کے بے تاج بادشاہ رضا نقوی واہی کے قلمی وادبی وارث جو ٹھہرے۔واہی مرحوم کی فکری بالیدگی موصوف کے حصے میں اگر پوری نہ بھی آئی ہوگی تب بھی میرا ایقان ہے کہ اس کا غالب حصہ ضرور آیا ہے۔

ہم رضا نقوی واہی کا شرفِ دیدار کبھی حاصل نہیں کر سکے لیکن ان کے کلام خصوصاً ''واہیات'' سے محظوظ ہو چکے ہیں۔ان کے مجموعے کا نام ''واہیات'' ضرور ہے لیکن ان کی مزاحیہ شاعری اتنی متانت سے مملو ہے کہ ہم خطِ ممیز نہیں کھینچ سکتے کہ اس میں کتنا حصہ مزاح کا ہے اور کتنا حصہ متانت کا۔یہی وصف اس پدرِ مرحوم کے پسرِ موسوم بہ عابد نقوی کی تحریروں کے تعلق سے بلا تامل کہی جا سکتی ہے۔

''چنار پر فاختہ'' کے مرتب،معروف افسانہ نگار ڈاکٹر شاہد جمیل نے اپنے تعارفی اقتباس میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ شگفتہ تحاریر کا مجموعہ ہے۔ان کا یہ دعویٰ پڑھ کر یہ ظن غالب رہا کہ عام طور پر کتاب کا مرتب یا مقدمہ نگار،مصنف کی رفاقت،اس کی خیر خواہی،دل بستگی اور قربت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے اور مصنف کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا ڈالتا ہے۔لیکن ہم نے جب پوری کتاب کا مطالعہ کر ڈالا تو تسلیم کرنا پڑا کہ مرتب کا محض دعویٰ نہیں ہے،اس نے حق بیانی کا ثبوت دیا ہے۔ہم مرتب کی اس حق بیانی پر اسے داد دیتے ہیں کہ رفاقت کی پاسداری میں حقیقت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔کتاب کی قرأت سے ہم نے تو یہ محسوس کیا ہے کہ ان تحریروں میں صرف شگفتگی ہی نہیں ہے بلکہ شائستگی بھی ہے اور سنجیدگی بھی،برجستگی بھی ہے اور دل گرفتگی بھی۔

ہم اپنے ان دعووں کے ثبوت میں کتاب سے نمونتاً ایک ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

.....اور آہستہ آہستہ بڑے بھائی کی شفقت ومحبت پر وقت کی ایسی دھول پڑی کہ ماضی کی یادیں دھندلا گئیں۔بچپن اور جوانی کی رعنائیاں کہیں گم ہو گئیں۔وقت کے ساتھ خون کے رشتے بے رنگ ہو گئے۔

(شگفتگی:کہانی ''برسوں بعد'' سے)

ناکردہ گناہ کی سزا کاٹ رہے معصوم قیدیوں میں شامل احمد لون،زانو پر سر رکھ کر سوئے بیٹے کا سر سہلاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کب چنار کی شاخوں پر امن کی فاختہ کا بسیرا ہوگا؟وادی میں امن وامان کب قایم ہوگی۔

(شائستگی:کہانی ''چنار پر فاختہ'' سے)

جب پیسے نہیں تھے، تب کیا ضرورت تھی اتنے مہنگے اسپتال میں علاج کرنے کی؟ غریبوں کے لیے ہر حال میں سرکاری اسپتال اچھا اور کفایتی ہے۔ وہاں کم خرچ میں کام چل جاتا.... ہومیوپیتھ میں بھی ہر مرض کا سستا علاج ہے۔ اب لوگ حکیم اور وید کے پاس جانا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

(سنجیدگی: کہانی ''مردے کا علاج'' سے)

ڈھلتی عمر میں اگر ہمسفر ساتھ چھوڑ دے تو اس کی تکلیف وہی محسوس کرسکتا ہے جس پر گزری ہو۔ صبح کی پہلی چائے سے لے کر ہر پل ضرورتوں کا خیال صرف بیوی ہی رکھ سکتی ہے۔ (برجستگی: کہانی ''علاجِ تنہائی'' سے)

بیٹے امریکہ سے تین چار برسوں میں انڈیا آجاتے تو امجد کے چہرے پر خوشی کی لکیریں ابھر آتیں۔ بیوی بھی تر و تازہ ہو جاتی۔ لیکن پُر واسی پنچھیوں کے اڑتے ہی ان کے آشیانے میں پھر سناٹا چھا جاتا۔ پھر وہی انتظار برسوں کا.... تنہائی کی چبھن اور نوکر دائی کے سہارے زندگی خراماں خراماں طے شدہ منزل کی طرف بڑھتی ہے۔

(دل گرفتگی: کہانی ''ادھورے خواب'' سے)

یہ محض بانگی کے طور پر پانچ اقتباسات ہیں۔ اس طرح کی عبارتیں اس مجموعے میں جابجا ملیں گی۔ شرط یہ ہے کہ پوری کتاب کا مطالعہ وارفتگی سے کیا جائے۔

ہم اپنے اسی حسنِ ظن اور نقد و نظر کی کسوٹی پر مجموعے کی ۳۳ رعدد کہانیوں میں سے کچھ چنندہ کو پرکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کتاب کے مرتب اور یہ ناچیز اپنے دعووں میں کتنے کھرے ہیں۔

مجموعے کی پہلی اور ٹائٹل کہانی ''چنار پر فاختہ'' جنتِ ارضی، کشمیر کی سرزمین پر ہو رہی خون ریزی، ظلم و بربریت، ناانصافی، حقوقِ انسانی کی پامالی کی مختصر داستان ہے۔ ہم اخبارات، ٹی وی چینلز اور سوشل میڈیا کے توسط سے کشمیری عوام کی دردبھری کہانیوں سے کچھ نہ کچھ یا بہت کچھ ضرور واقف ہیں۔ مکّار اہلِ سیاست اور عیّار اہلِ حکومت نے کس طرح اپنی مکاری وعیاری، نفرت وتعصب سے کشمیری عوام کے لیے خود ان کی سرزمین تنگ کر رکھی ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ کبھی کشمیر نہیں گئے ہوں گے اور نہ کبھی کشمیر کو دیکھا ہوگا۔ اور ہمارا قیاس ہے کہ مصنف نے بھی کبھی کشمیر کا سفر نہیں کیا ہوگا۔ لیکن یہ آفاقی حقیقت ہمارے ذہنوں میں مستحضر رہنا چاہئے کہ انسانی درد کی نہ تو کوئی زبان ہوتی ہے اور نہ وہ جغرافیائی حدود میں مقید رہتا ہے۔ یہ ایک کائناتی احساس ہے جسے ہر دردمند انسان ہی محسوس کرتا ہے۔ اس کے لیے مظلوموں، محروموں اور ان کے خطے تک پہنچنا لازمی نہیں ہے۔ آج ذرائع ابلاغ کی ''برکتوں'' سے ساری دنیا کے درد و غم ہم تک خود پہنچ جاتے ہیں۔ کشمیری عوام پر سرکاری اور عسکری طور پر ظلم وستم کا پہاڑ محض اس لیے توڑا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ ہم نے بھی کشمیر نہیں دیکھا ہے لیکن عابد نقوی کی یہ کہانی پڑھ کر کشمیریوں کے دکھ درد کا بہت کچھ اندازہ ہو گیا۔ ویسے کشمیر، کشمیریت اور کشمیریوں پر یہ کوئی پہلی کہانی نہیں ہے۔ اس سے قبل بھی درجنوں کہانیاں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ بس ہر مصنف کی بُنت کا انداز الگ الگ ہے۔

اور صرف یہی ایک کہانی نہیں ہے جس میں مصنف نے انسانی المناکیوں، کرب و بلا کو تحریر کا جامہ پہنایا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ درد و غم، حزن وملال، محرومیوں، ناآسودگیوں، ناانصافیوں، تشنگیوں سے پوری کتاب ''شرابور'' ہے۔

ہر ماں باپ کا خواب ہوتا ہے کہ ان کی اولاد زمانۂ ضعیفی میں ان کا سہارا بنے، ان کی تنہائیوں کا رفیق بنے۔ اسی غرض سے والدین اپنی زندگی کی ساری خوشیاں، امنگیں، ولولے تج کر اولاد کی پرورش و پرداخت کرتے ہیں، انہیں اعلیٰ تعلیم کے زیورات سے آراستہ کرتے ہیں، ان کے ہونٹوں کو تبسم ریز کرنے کی غرض سے اپنی مسرتیں قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن اولاد دولت کمانے اور اپنے بچوں میں اس طرح مگن ہو جاتی ہے کہ والدین زندگی کے آخری لمحات تک ان کی التفات سے محروم ہی رہتے ہیں۔ بہت دردمندی سے مصنف نے ''ادھورے خواب'' لکھا ہے۔ پڑھ کر دل میں کسک اٹھتی ہے۔

آج وطنِ عزیز پورے طور پر ''ہندتو'' کے نرغے میں ہے۔ ایک خاص فرقے اور ایک تشدد پسند تنظیم نے ملکی آئین وقانون کو یرغمال بنا لیا ہے۔ ہوسِ اقتدار نے ایک حزبِ سیاست کو انسانیت سے دوٗر کر دیا ہے۔ شہرت وناموریٗ سیادت وقیادت کے لیے بڑا آسان اور مجرّب نسخہ ان لوگوں کو ہاتھ آگیا ہے۔ اقلیتوں اور دلتوں کے خلاف پرزور آوازیں اٹھائیے، ہندتو کا جھنڈا بلند کیجیے، شعلہ بیانی جاری رکھیے، جارحیت کو جائز ٹھہرائیے تو آپ کو بہت جلد مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ سیاست کے گلیاروں میں آپ کا جاہ وحشم آسمان چھونے لگے گا، اقتدار کی دیوی آپ کے قدم چومنے لگے گی۔ ان حقائق کو اپنی مختصر کہانی ''پڑاؤ'' میں مصنف نے بڑی بیباکی سے قلمبند کیا ہے۔

علاج ومعالجہ کے پیشے کو مسیحائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تعلیم وتدریس کے بعد دنیا میں اگر کوئی مقدس ومحترم پیشہ ہے تو یہی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب حکیم، وید، ڈاکٹر، معالج اپنے دشمن تک کا علاج ایک دوست کی طرح کرتے تھے کیونکہ انہیں اس پیشے میں اعتبار حاصل تھا۔ لیکن آج دولت کی حرص وہوس نے اس محترم شعبے کو بھی داغدار کر دیا ہے۔ اب تو معالج دوست مریضوں کے ساتھ بھی دشمن جیسا سلوک کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حضرات علاج کے نام پر ایسے ایسے جرائم، ایسے ایسے پاپ کر رہے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ دولت کی چاہ میں مریضوں کو زندہ درگور کر رہے ہیں۔ ان المناکیوں کو موصوف نے کہانی ''ڈاکٹر ڈیوڈ'' میں واشگاف کیا ہے۔

ٹی وی چینلوں کے ناظرین اس امر سے اچھی طرح واقف ہوں گے کہ ان میں ہونے والے سیاسی ڈیبیٹ میں صرف سیاست ہوتی ہے۔ آج تک کوئی بھی ڈیبیٹ خیر وفلاح پر منتج نہیں ہوا ہے۔ یہ ڈیبیٹ عموماً مقتدر پارٹی کے ایجنڈے اور اس کے نظریات کو فروغ دینے نیز حزبِ مخالف کو نشانہ بنانے کی غرض سے ہوتے ہیں۔ اگر مذہبی ڈیبیٹ ہے تو سبھی مذہبی رہنما دوسروں کی باتیں سمجھنے کے لئے نہیں، اپنی باتیں 'سمجھانے' کے لیے جارحیت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ گھنٹوں زبانی جنگ ہوتی ہے، کبھی کبھی ہاتھا پائی کی بھی نوبت آجاتی ہے لیکن نتیجہ صفر رہتا ہے۔ ڈیبیٹ/ مذاکرے کے شرکا کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی، انہیں تو صرف چینلوں کی جانب سے ملنے والی خطیر رقم سے مطلب ہوتا ہے۔ مذاکرے کے شرکا کی حرکات کا ذکر مصنف نے کہانی ''اچھلتے بندر'' میں بڑی خوبی سے کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مصنف نے ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ اس کہانی میں مصنف نے جا بجا طنز کے تیر برسائے ہیں۔ مذاکرے میں حصہ لینے والے مذہبی اور سیاسی قائدین کو بندروں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

پوری کتاب میں سے ہم نے مٹھی بھر ایسی تحریروں کا جائزہ لیا ہے جن سے مصنف کے نظریۂ معاشرت، رجحانِ سیاست، ان کی ژرف نگاہی، ان کے عمیق مشاہدات، ان کے اسلوب اور طرزِ نگارش کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ سماجی ناانصافیوں (Social Injustice)، مذہبی منافرت، سیاسی دجل وفریب کے تئیں ان کے سلوک سے قارئین واقف ہو سکیں۔ اگر مصنف کی تحریروں سے زیادہ سے زیادہ حظ اٹھانا ہے تو پوری کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہوگا۔ کتاب کے مرتب ڈاکٹر شاہد جمیل نے تعارف نامے میں عابد نقوی کے فن، ان کے تصورات، اور افکار کے تعلق سے بڑی سچّی بات کہی ہے:

عابد نقوی زود حس اور زود آشنا ہیں۔ ان کا مشاہدہ عمیق اور تجربہ پختہ ہے۔ وہ اردو اور ہندی الفاظ کا بخوبی استعمال کرتے ہیں۔ بیان میں تخیل کی بلند پروازی اور شگفتہ جملوں کی فراوانی ہے۔ وہ عصری واقعات و حادثات اور افرادِ معاشرہ کے اعمال وافکار کو فی الفور قلمبند کر لینا چاہتے ہیں۔ جب ان کا اشہب قلم دوڑنے لگتا ہے، تب وہ لمبی مسافت کے بعد ہی دم لیتا ہے۔ وہ اصنافِ ادب کے مروّجہ حدود وقیود کے پاسدار بھی ہیں اور حصار شکن بھی۔ وہ طنز کے تیر ونشتر چلانے کا بھی ہنر جانتے ہیں۔

ہم ڈاکٹر شاہد جمیل کی ان آرا پر صاد کرتے ہوئے اتنا مزید کہنا چاہتے ہیں کہ ان کی انہی آرا نے مجھے پوری کتاب کی قرأت پر مجبور کیا اور کتاب کے مشمولات نے اس مضمون کو قلمبند کرنے پر۔ ورنہ اعزازی طور پر تو کتابیں آتی رہتی ہیں۔ کون سبھی کتابوں پر مضمون لکھنا گوارہ کرتا ہے۔

ہم اگر کتاب پر اجمالی نگاہ ڈالیں تو دل میں یہ احساس شدت سے جاگزیں ہوتا ہے کہ

(۱) مصنف کے اندر ایک ایسا دھڑکتا ہوا دل ہے جو ظلم وستم، غم والم، ناانصافیوں، محرومیوں، نفرت وعصبیت پر بے چین ہو اٹھتا ہے اور وہ بے چینی افسانے/افسانچے کے پیکر میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس پر بکھر جاتی ہے۔

(۲) مجموعے کی تقریباً سبھی کہانیاں معاشرتِ انسانی سے انسلاک رکھتی ہیں۔ تخیلاتی جہانوں کی کہانیاں نہیں ہیں۔

(۳) وہ موجودہ عہد کے اردو قارئین کے نبض شناس معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے طول طویل افسانوں کے علی الرغم مختصر اور مختصر تر افسانے تحریر فرمایے ہیں۔

(۴) تحریریں کیا ہیں، یہ لگتا ہے جیسے متانت کی دال میں طنز کا بگھار دیا گیا ہو۔

(۵) موصوف ہندی لفظوں، فقروں اور محاوروں کا برمحل اور ''سٹیک'' استعمال کا بھی ہنر جانتے ہیں۔ نمونے کے طور پر ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

زمانہ گزرتا ہے اور بابا کے دیہانت کے بعد بھی اس اہنسا کے وچاروں کو لوگوں نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ ہنسا پر ہی آدھارت کاریہ کرم چلتا رہا اور منُشتا کا دھرم نشٹ ہوتا رہا، تب ایک دن سوامی ناتھ نے لوگوں سے کہا۔ ''ہمیں ہنسا کا راستہ چھوڑ کر بدھ کے اہنسا کے راستے پر آگے بڑھنا چاہئے کیونکہ یہی ستیہ کا مارگ ہے۔ یہی سناتن دھرم بھی کہتا ہے اور یہی دھرم کی بنیاد بھی ہے....

(''مہنت کا بیٹا'' سے)

آخر میں ہم مصنف کی خدمت میں چند باتیں گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) ہمارا احساس ہے کہ ان کی تحریر میں چاشنی ہے، افکار میں جولانی ہے، قلم میں روانی ہے، فن میں جوانی ہے۔ وہ باضابطہ ایک مشن کے طور پر ایسی مزید کہانیاں لکھیں اور رسالوں، جریدوں اخباروں کی زینت بنائیں۔ راست کتاب کی اشاعت سے لوگ ان سے بطور افسانہ نگار واقف تو ہو جائیں گے لیکن وہ شہرت ومقبولیت سے محروم رہیں گے۔

(۲) کلامِ الٰہی کے علاوہ دنیا کی بڑی سے بڑی کتاب کمیوں، خامیوں اور تسامحات سے مبرّا نہیں ہے۔ اگر ''چنار پر فاختہ'' میں کچھ کمیاں ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا مصنف ایک ''انسان'' ہے۔ دو چار تسامحات کی بنا پر پوری کتاب رد نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے ذہن میں یہ حقیقت مستحضر رہے کہ ایسا نہیں ہے کہ کسی بڑے مصنف سے غلطی نہیں ہو سکتی اور جس سے تحریر میں غلطی ہو جائے وہ بڑا مصنف نہیں ہو سکتا۔

(۳) تحریروں میں کمپوزنگ کی کچھ غلطیوں سے ان کی شگفتگی مجروح ہوتی ہے۔ آئندہ کسی تصنیف کی اشاعت میں اس امر پر خصوصی توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ ☆☆☆

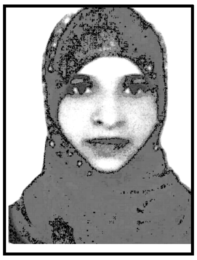

رفعت کنیز
No:1-98/28,SaiNagar
MadhapurHyderabad-500081
(Telengana)

خادم رسول عینی کا قلم

ادبی دنیا میں بے شمار ادیب وشاعر ہیں۔کوئی مضمون نگار، کوئی صحافی، کوئی افسانہ نگار تو کوئی شاعر ہے۔شاعر کے قلم سے روشنی کی کرنیں پھیلتی ہیں جن کے وسیلے سے ہم اپنی دنیا میں شب وروز رونما ہونے والے واقعات وسانحات سے واقف ہوتے ہیں نیز یہ بھی کہ شاعر حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے جھوٹ کے چہرے سے پردہ ہٹاتا ہے۔

قلم کا اگر وجود نہ ہوتا تو شاید تقدیریں بھی نہیں لکھی جاتیں۔یہ قلم ہی ہے جو ساری دنیا کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ورنہ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ سچ کو ظاہر کرے کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی سچ بولنے کے لئے زبان بھی ساتھ نہیں دیتی اور سچ بولنے سے کتراتی ہے۔لیکن قلم میں وہ طاقت ہے جو ساری دنیا کی تاریخ کو بیان کرتا ہے،اور تاریخ کو بدل بھی سکتا ہے۔

اسی قلم سے آج ایک حقیقت لکھ رہی ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس قلم کا استعمال کر کے دورِ حاضر کے ایک مشہور ومعروف شاعر جناب سید خادم رسول عینی نے اپنی نعتوں، اپنی غزلوں، اپنی شاعری اور اپنے مضامین کے ذریعے اپنی شعری وادبی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔عینی کے قلم سے مثبت سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔عینی پر اللہ رب العزت کا بہت بڑا کرم ہے کہ انھیں قلم کا صحیح استعمال کی صلاحیت عطا کی ہے۔وہ اپنے قلم سے خوبصورت الفاظ کے ذریعہ بہترین انداز میں اتنے پیارے کلام لکھتے ہیں جس میں ایمان افروز باتیں، عشقِ رسول کی سرشارانہ کیفیتؐ، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حالاتِ حاضرہ کا چہرہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ان کا کلام لوگ دلچسپی سے پڑھتے ہیں کیونکہ ان کی تحریر فکر انگیز ہوتی ہے نیز شگفتگی کے ساتھ اپنے جذبات، اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا برملا اظہار پایا جاتا ہے۔خواہ وہ غزل ہو نعت ہو یا کہ نظم ان میں تاثر پذیری کے ساتھ ساتھ گہرائی وگیرائی بھی ہوتی ہے۔مثال کے طور پر یہ نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

آئی ہے مدینہ اقدس سے کیا تازہ ہوا سبحان اللہ
قربان ہوئی جاتی ہے خود اس پر ہی صبا سبحان اللہ

جس کے دل میں عشقِ نبی ہوتا ہے اسے شہرِ نبی سے بھی الفت ہوتی ہے۔اس لیے شہرِ نبی کے ذرے ذرے سے بھی اسے پیار ہوتا ہے۔جس محبت کے عالم میں عینی صاحب نے یہ کلام لکھا ہے اس سے مدینے کے تئیں ان کی عقیدت کا جذبہ کارفرما ہے۔اسی نعت کے ایک اور شعر میں انہوں نے کہا ہے ۔

پڑھتا ہوں جب نعتِ آقا جنت سے مہک آجاتی ہے
کیا خوب ملی ہے خالق سے مجھ کو یہ جزا سبحان اللہ

آپ نے بالکل درست فرمایا کہ جب نعت پاک پڑھی جاتی ہے تو فضا مہکنے لگتی ہے اور سننے والوں پر وجد کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔جس کو بھی نعت پڑھنے اور لکھنے کا شرف حاصل ہے اس پر اللہ کا بہت بڑا کرم ہوتا ہے۔یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک خصوصی عطیہ ہوتا ہے۔جب تک اللہ توفیق نہ دے نعت کہنے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔اپنی ایک اور نعت میں کہتے ہیں۔

لائے تشریف جانِ امن واماں
اب کہاں ظلم کی رہائی ہے

سرورِ کائناتﷺ کی آمد سے پہلے مجبور اور بے کس لوگوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔انھیں ہر طرح ستایا جاتا تھا اور ان کی دادرسی کرنے والا کوئی ہمدرد نہیں تھا لیکن حضور اکرمﷺ کے آتے ہیں ہر طرف امن واماں کا پرچم لہرانے لگا۔ظلم وستم کا سدِ باب ہوا۔امیر وغریب سبھی کو یکساں درجہ حاصل ہوا اور لوگ امن وچین کی زندگی گزارنے لگے۔

نعتوں کے علاوہ ان کی غزلیں بھی بڑی اثر انگیز ہوتی ہیں۔ان کی غزلوں میں وارداتِ قلب کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کی دھڑکنیں بھی سنی جاسکتی ہیں۔ایک غزل کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ کیسا ضابطہ ہے، جرم ایک شخص کرے
لگے ہر ایک پہ الزام دیکھتے رہیے
خلوص اور محبت کا گر رہے فقدان
تمام کام ہونا کام دیکھتے رہیے
مقام عدل میں ہی جسمِ عدل کا عینی ہوا ہے قتل سرِ عام دیکھتے رہیے

ان اشعار پر غور کریں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حقیقت کی عکاسی کی

ہے۔آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ جرم کوئی اور کرتا ہے اور اس کی سزا کسی اور کو ملتی ہے۔آج کے دور میں خلوص و وفا کی کوئی قیمت نہیں۔ یہاں صرف بے حیائی عام ہے ۔انسانیت کا اب کوئی رواج نہیں رہا، جہاں انصاف ہونا تھا اب اس کی جگہ ناانصافی کی سر پرستی ہو رہی ہے۔قانون اور انصاف ایک مذاق بن کر رہ گئے ہیں، اب انصاف کی امید نظر نہیں آتی۔ یہاں تو بے گناہ کو گنہگار ثابت کیا جاتا ہے اور گنہگار کو بے گناہ۔ معاشرے کی ان ناہمواریوں کو شعری زبان دے کر انھوں نے اپنی صالح فکری اور عصری حسیت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ بحیثیت انسان وہ ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔غیروں کی جارحیت انھیں مضطرب کرتی ہے تو اپنوں کی محبت انھیں راحت پہنچاتی ہے۔اسی لیے کہتے ہیں ۔

کسی بھی غیر سے اب دل نہیں لگانا ہے
جو اپنے روٹھے ہوئے ہیں انہیں منانا ہے

اس کے علاوہ اس شعر سے یہ معنی بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اس سے دل نہیں لگانا چاہیے ہے۔ اصل مقام تو آخرت ہے جس کی فکر کرنی چاہئے ،رب کو منانا ہے کیونکہ دنیا فنا ہونے والی چیز ہے، مومن کا دائمی مقام صرف آخرت ہے۔

چونکہ عینی صاحب پابندِ شرع ہیں اس لیے ان کا دینی جذبہ بھی بعض اشعار میں محرک نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیں:

اگر ہے خواہش تحصیل منزلِ مقصود.. تھکاوٹوں کا نشاں راہ سے ہٹانا ہے
اس سے ملتی ہے تسکین دائمی ہم کو. لباس شرع کا گرچہ بہت پرانا ہے

انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے، جو تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے وہ منزل تک نہیں پہنچتا۔ ہمارا سکون ہماری خوشی اور ہماری آخرت سب کچھ یعنی ہماری زندگی کا اصل شریعت پر مبنی ہے۔شریعت ایک ایسا قانون ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی زندگی کو حق کے راستے میں ڈال سکتے ہیں اور، آخرت کو سنوار سکتے ہیں ۔شریعت کا قانون پرانا سہی ہمارے لیے یقیناً نجات کا وسیلہ ہے ۔اس لئے شریعت پر چلنا ہمیں دائمی سکون عطا کرتا ہے ۔شریعت پر عمل پیرا ہونے سے دونوں جہاں میں سرخروئی حاصل ہوتی ہے، جس سے ہم آخرت کی منزلوں کو آسانی کے ساتھ طے کر سکتے ہیں ۔اس سے ہمیں نہ صرف دائمی سکون ملتا ہے بلکہ ثواب کے حقدار بھی ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ عینی صاحب نے اپنے قلم سے لوگوں کے دلوں میں عشق حقیقی کا جذبہ جگایا ہے، لوگوں کو انسانیت کا درس دیا ہے اور انہیں آخرت کی یاددہانی کرائی ہے ۔بلاشبہہ انھوں نے نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عینی صاحب پر ہمیشہ کرم فرماتا رہے تا کہ لوگ ان کے قلم کی روشنی سے مستفید ہوتے رہیں۔

☆☆☆

(نقد جانِ آرزو، لکھنوی کا بقیہ)

سپرد قلم کیا تھا اور دلنواز پبلی کیشن، ممبئ سے شائع کرایا تھا۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔اس کتاب اور یو پی اردو اکاڈمی کی سعی سے آرزو پر کتاب دینا اس بات کا عکاس ہے کہ آرزو لکھنوی کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ آن لائن ریختہ ڈاٹ کام سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

سہل ممتنع کے تکلف سے استاد شعراء میں اقبالؔ، مومنؔ، آتشؔ اور داغؔ و غالبؔ، نیز حالیؔ اور اکبرؔ الہ آبادی کو یاد کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کے شعراء میں ناسخؔ، امیر مینائی، میر انیس، ناطقؔ، آتش، سراج، ولی الحق، فیروز نظامی وغیرہ مشہور ہیں۔ آرزو بھی اِس صف کے شاعرِ کبیر ہیں ۔

نہ کیوں ہوں آرزو قائل تیری رنگین خیالی کے
قلم رنگیں، زباں رنگیں، سخن رنگیں، بیاں رنگیں

آرزو لکھنوی پر گہری نظر رکھنے والے مرتب اکرم عزیزی اسرار الحق نے دل کے سارے دریچے ہی وا نہیں کیے، بلکہ سارے روزن بھی وا کیے اور 'پورو ا بیار' کو لکھنؤ سے دہلی، بکنگھم، واشنگٹن اور پھر پلٹا کر دوبئ ہوتے ہوئے پورے ہندوپاک میں لانے کی حقیقی کوشش کی ہے۔ وہ اس میں کلی طور پر کامیاب ہیں۔

'کلیات آرزوؔ' میں 'فغانِ آرزوؔ'، 'نشانِ آرزوؔ'، 'سُریلی بانسری'، 'مقدمہ'، دو افسانے 'ایک کٹھن رات' اور 'سہاگی ستی' شاملات میں ہیں۔ 'مقدمہ' بڑا جامع ہے۔ اب اس کے پڑھنے کے بعد کوئی نہ کہہ پائے گا ۔

شہر خالی' جادہ خالی' کوچہ خالی' خامہ خالی۔ جام خالی' سفرہ خالی' ساغر و پیمانہ خالی
کردہ دستہ دستہ آشیان' عندلیبان۔ باغ خالی' باغچہ خالی شاخہ خالی لانہ خالی

مقالہ نگار، مبصر ہونے کے ساتھ اردو کے مؤقر و مؤید استاد ہیں ۔

سنگ کو آئینہ کر دوں ۔ زہر کو نوشبینہ میں
کوئلہ میں الماس کر دوں۔ میں ہوں وہ محسن عظیم

لکھنؤ اردو دنیا کے علامہ آرزو لکھنوی کے اشعار درشہوار آپ کی نذر ہوں، میں واضح کردوں کہ ہندی آمیز اشعار بھی گُہر سے کم نہیں ہیں۔

کھل گئی نفس کی کڑی ۔ختم ہے دور اس تسلسل کا
جس نے یہ حالت بنائی، وہ بھی آج، اے آرزو۔ چہرۂ بیمار سے چادر ہٹا کر رو دیا
آرزو وہ برے کسی سے نہیں۔ یہ برا اپنا ہی مقدر تھا
تھا آرزو فریبِ تسلی رفوئے کا۔ آئی ہنسی جو زخم کا ٹانکا ادھڑ گیا
آرزو پھر دیا نظر نے فریب۔ شوق پھر دل کو گدگدانے لگا
جو ہو شہیدِ جفا آرزو تو پھر۔ وفا شعار کو اس کے شعار نے مارا
آرزو دل ہے وقفِ بیم و امید۔ جھلملاتا چراغ جگنو کا
اب آشیاں سے نہ ہے آرزو چمن سے۔ مزاجِ نازک گلچیں و باغباں بدلا
جسے آرزو کوئی تا کے نہ چھینے۔ مجھے راج گدی ہے وہ مرگ چھالا
لہو نہ ہنس رلاؤ بس بس۔ بکس گیا جی کا گھاؤ بس بس

☆☆☆

پروفیسر محسن عظیم انصاری

Retd.Principal
JamtaEnterCollege
BadiPakdiaArea
NearCharMinarMasjid
Rooppur.Khedra
Lucknow

نقد جانِ آرزو لکھنوی

ڈاکٹر اسرارالحق دنیائے اردو کا ایک منفرد، بے مثل و یگانہ نام ہے۔ ممتاز و ممتثل و مُنخرط طبیعت وخو کے مالک ہونے کے ناطے وہ اپنی حُسام قلم کو کم رفتاری سے چرکا لگانے میں استعمال کرتے ہیں۔ نیز نشتر زنی کرنا انہیں خوب معلوم ہے، مگر وہ اپنے نشتر خانے کے تیغِ قلم سے ان دنوں زیادہ کام لے رہے ہیں۔ پون درجن کتب پر خامہ فرسائی ہوچکی، ایک درجن کو عبور کرکے 'اُردوستان و ریختستان' کے خاصے حصے یا خطے کو دیکھنے کی للک رکھتے ہیں۔

مشہور کتب جن پر انہوں نے کام کیا وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ضیاءِ شمس (۲) عرفان عباسی کے چند خاکے (۳) اردو شعروادب کے ارتقا میں لکھنؤ کے ہندو شعرا کا حصہ (۴) لکھنؤ کی ظریفانہ شاعری (۵) طلسم اردو (٦) افکار ساحلؔ (۷) شمع رِسالت (۸) کلیاتِ آرزو، ودیگر متوسط کتب۔

اردو نظم (Poetry) سے انہیں بڑا اُنس ہے۔ مجھے قلق ہے کہ بیچاری نثر جس کے سہارے ان کا اسپِ قلم گردش میں ہے، ان سے بہت کچھ کی متقاضی ہے۔ نظم سے متلذِّ ذ و مستقرب ہونے میں اردوداں طبقہ پیش پیش ہے۔ اچھی بات، بہت اچھی بات (صحیح تلفظ کی رس جس وتراوٹ اردو نظم ہی عطا کرتی ہے)، اردو نثر کے سہارے رہ کر ہم صحیح تلفظ کی درشہوار حاصل نہیں کرسکتے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اردو نثر کو بے سہارا چھوڑ دیں۔ حقیقی شعراء اور اس سے بڑھ کر متشاعرین اردو نظم کو نور آگیں کررہے ہیں۔ نظم انہیں آسان و سہل لگتی ہے، جبکہ اس کے برعکس نثر کے تعلق سے متشاعرین جیسا گروہ نثر کو کسی طور پر آرائیدہ نہ کرسکے گا۔ شعراء کے ذریعے متشاعرین کی کھپت تیار کرنے سے تو اچھا کام یہ ہے کہ نوآموز اردو شعرا آگے آئیں اور متشاعرین کو اردو کی خواندگی پر مائل کریں۔ کہنہ مشق و استاد شعرا قرینہ بنائیں کہ متشاعرین کو نوآموز اردو شعرا اردو سیکھنے پر نہ صرف آمادہ کریں، بلکہ انہیں خود طبع آزمائی کرنے کی راہ دکھائیں۔

اب میں نثر کی بات کو آگے بڑھاؤں۔

نثر عاری و مُرَّجز نہ لکھو گے جو عظیم۔ اردو کہتے ہیں جسے اس کا خسارہ ہوگا

ڈاکٹر اسرارالحق کے ذریعے نثر کی خدمت عالیہ کی جارہی ہے۔ ان کے کرتب اردو کے اکھاڑے پر دیکھے جارہے ہیں اور دیکھے جائیں گے۔ جناب کُشتی کا بڑا داؤں یعنی گازردار (دھوبی پاٹ) خوب جانتے ہیں۔

صید ہوں، نخچیر ہوں، ان کا شکار۔ کیسا اب اسرآر کرتے ہیں علاج

مضمونِ ایں کے قاریو! سبھی حاضرین و حاضرات! مجھے آگے اسرار کی ترتیب کردہ کتاب 'کلیات آرزو' پر خامہ فرسائی کرنی ہے۔ خامہ مو کو اِس منظوم کاوش کی طرف متوجہ ویکسو کرنا ہے۔

کتاب کا انتساب ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی کے نام معنون ہے۔ اردو حلقے کا جانا پہچانا مہتاب ہیں ڈاکٹر عصمت۔ وہ اردو کے ماہِ نخشب نہ ہوکر ماہِ کنعان سے ہیں۔ ان کی جانب سے دو لفظ کلیات آرزو میں ہوتے، تو اردو کو تازہ خون مل جاتا اور اس کے حسن میں اضافہ ہوتا۔

اردو کے مایۂ ناز شاعر و نثر نگارِ مضمون دگر جیسے افسانہ نگاری کے ماہر فن سید انور حسین آرزوؔ لکھنوی کی محنت کافہ کو ڈاکٹر عزیزی اسرارالحق قریشی نے کلیات کی شکل دے کر اردو چمنستان میں منصۂ شہود پر رکھا ہے۔ صفحات 384 ہیں، درون کے ٹائٹل پیج کو ملا کر۔

محترم ومکرم جناب سر محمد اقبال کو علامہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سر اقبال اگر جہانِ اردو میں فضا کی طرح ہیں، تو آرزو لکھنوی بھی اودھ کی فضائے بسیط کی طرح ہیں۔ وہ یوں تو سہلِ ممتنع کے ماہر تھے، لیکن ہندی الفاظ کی گرفت میں وہ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اس کی خاص وجہ ہے۔ انہیں استاذ الاساتذہ میر ضامن علی جلالؔ لکھنوی کا ورثہ ملا تھا۔ پروفیسر محمد حسن نے لکھا ہے:

''آرزوؔ لکھنوی کی نظر زبان و بیان، قواعد وعروض پر بہت گہری تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ میر ضامن علی جلال لکھنوی کا انہیں ورثہ ملا تھا اور جلالؔ 'سرمایۂ اردو زبان' جیسی لغت کے مصنّف تھے۔ آرزوؔ لکھنوی نے زبان کے اصول وقواعد مُدَوّن کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ 'نظام اردو' اس کی شاندار مثال ہے۔''

کہتے ہیں کہ دہلی کی شاعری میں 'آہ، حزن و ملال' ہے، لکھنؤ کی شاعری میں 'واہ، اہاہا اور اماں کیا کہنے' کی صدا پائی جاتی ہے۔ ان باتوں کو ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے مثالیں پیش کرکے صفحات کو روشنائی پلائی ہے۔ مجاہد حسین نے بھی 'آرزوؔ لکھنوی حیات وخدمات' عنوان سے ۱۹۶۲ء میں ایک مقالہ

(بقیہ صفحہ 43 پر)

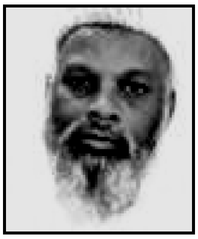

شفیق رائے پوری
NearHeadPostOffice
IndraWardJagdalPur
Dist;Basarr.-494001(C.G)
Mob;979412700

بلگام کا شاعر و تنقید نگار عزیز بلگامی

دورِ حاضر میں سوشل میڈیا کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سوشل میڈیا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس کے ذریعہ ہم ہزاروں میل کی دوری پر بیٹھی شخصیات کو قریب سے قریب تر کر سکتے ہیں۔ فیس بک اور واٹس ایپ سوشل میڈیا کے دو اہم حصے ہیں۔ یہ ایک ایسی فضا ہے جس میں انسان پوری آزادی کے ساتھ سانسیں لیتا رہتا ہے۔ جہاں روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ سوشل میڈیا نہ صرف تنہائی دور کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے بلکہ علم میں اضافے کا باعث بھی بنتا ہے۔ یہ ایسے احباب بھی فراہم کرتا ہے جو فائدے مند بھی ثابت ہوتے ہیں اور نقصان دہ بھی۔ ہم اگر فیس بک کی بات کریں تو اس میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہمارے احباب ہوتے ہیں اور یہ احباب ایسے ہوتے ہیں جن کے تعلق سے ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا وہ ہم کو اپنے بارے میں بتانا چاہتے ہیں۔ بہت سے احباب ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہم کچھ بھی نہیں جانتے اور کچھ احباب ایسے ہوتے ہیں جو اپنی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسے ہی احباب میں سے سوشل میڈیا کے میرے ایک ہم عصر دوست ہیں عزیز بلگامی، جن سے تعارف کا سہرا ایک مشترکہ غزل کے سر جاتا ہے۔

یہاں تک پہنچ کر مشترکہ غزل کے تعلق سے قارئیں کا چونکنا لازمی ہے۔ مشترکہ غزل کے تعلق سے جہاں تک میری جانکاری کی بات ہے تو اگر اسے صنف کا درجہ دیا جایے تو یہ صنف عزیز بلگامی کی ایجاد کردہ صنف کہلایے گی، کیونکہ اس سے قبل مشترکہ غزل میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ عزیز بلگامی سے فیس بک میں دوستی ہو جانے کے بعد فیس بک میں مشترکہ غزل کے عنوان سے ایک غزل پر میری نظر پڑی جس کے شاعر کے طور پر دو نام لکھے ہوئے تھے۔ ایک عزیز بلگامی کا اور دوسرا کسی اور شاعر کا نام تھا، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ پہلا مصر عزیز بلگامی کا اور دوسرا مصرع فلاں کا (مجھے شاعر کا نام یاد نہیں آرہا ہے)۔ میرا اشتیاق مجھے عزیز بلگامی سے سوال کرنے پر اکساتا رہا۔ میرے استفسار پر زیادہ کچھ نہ کہتے ہوئے انہوں نے بس اتنا کہا کہ آپ اپنی کوئی غزل بھیجیے۔ میں نے اپنی ایک غزل انہیں سوشل میڈیا کے ذریعے بھیج دی، غالباً دو چار دنوں کے اندر ہی میری غزل کے تمام اولیٰ مصرعے بنا کر انہوں نے مطلع تا مقطع اپنی طرف سے ثانی مصرعوں پر گرہیں لگا دیں اور نہ صرف مجھے پیش کی بلکہ فیس بک میں بھی اپلوڈ کر دیا، اس طرح سے ہماری دوستی پروان چڑھتی گئی اور میں دھیرے دھیرے عزیز بلگامی کی کائنات شاعری اور تنقید نگاری سے قریب ہوتا گیا۔

عزیز بلگامی کا پورا نام عزیز الدین اور تخلص عزیزؔ ہے۔ کڑچی ضلع بلگام میں یکم مئی ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ بلگام کی مناسبت سے عزیز تخلص کے ساتھ بلگامی کے لاحقے نے آپ کی شخصیت کی پہچان کے لیے آپ کو عزیز بلگامی بنا دیا۔ آپ نے بی. ایس. سی کی سند کرناٹک سے، ایم. کی سند میسور سے اور ایم. فل کی سند بنگلور یونیورسٹی سے حاصل کی۔ آپ ۱۹۷۲ء میں جب کالج میں زیرِ تعلیم تھے تب سے آپ کے مضامین مختلف اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اسٹیٹ بینک آف انڈیا میں ملازمت کی اور ایک آفیسر کے عہدے سے باعزت سبکدوش ہوئے۔ آپ کے مشاغل میں دوردرشن کے لیے معاشرے کی سرکردہ شخصیات سے انٹرویو لینا بھی شامل ہے۔ ”سیدھی بات“ چینل کے ادبی پروگرام ”فکروفن شعروسخن“ میں بہت سے شاعر و ادیب کا براہ راست آپ کے لیے ہوئے انٹرویو نشر ہوئے ہیں۔ آج بھی مشاہیر شخصیتوں پر آپ کے فیچرس آرہے ہیں۔ دینِ اسلام سے دور ہوتی ہوئی ہماری نئی نسلوں کو اللہ کی کتاب قرآنِ حکیم کے پیغامات سے واقف کرانے اور امت مسلمہ کو عموماً قرآنی پیغامات کی روشنی میں دعوتِ فکر دینے کے لئے آپ نے سوشل میڈیا میں ”عکسِ نورِ وحی“ کے نام سے ایک نیا چینل شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جائز و نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

شاعری (نظم و غزل)، تبصرہ نگاری، تنقید و مراسلہ نگاری اردو ادب میں آپ کے خصوصی موضوعات ہیں۔ ”حرف وصوت“ (شعری مجموعہ)، ”سکون کے لمحوں کی تازگی“ (شعری مجموعہ) اور ”دل کے دامن پر“ (شعری مجموعہ) شائع ہو چکے ہیں۔۔ اور نثری کاوشوں میں ”زنجیرِ دست وپا“ (عطا ہبلوی۔ فن اور شخصیت) اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ نقد و انتقاد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آکر قارئین سے مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اس وقت میرے مطالعہ کی میز پر عزیز بلگامی کا شعری مجموعہ ”سکون کے لمحوں کی تازگی“ زنجیرِ دست وپا (عطا ہبلوی۔ فن اور شخصیت) اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ”نقد و انتقاد“ حاضر ہیں۔ آیئے پہلے شعری مجموعہ کی ورق گردانی کرتے ہیں۔

ملکِ عرب کی جہالت کا زمانہ مشہور ہے، گمراہی عروج پر تھی۔ لوگ چاند

سورج پیڑ پودے پتھر پہاڑ کی پوجا کرتے تھے۔المختصر جہالت کا دور دورہ تھا،بت پرستی عام تھی۔لوگ گمراہیوں کے اندھیروں میں زندگی بسر کررہے تھے۔اس حقیقت پر قرآن بھی شاہد ہے۔

وان کانُوامِن قَبل لَفِی ضَلالِ مُبِین (آلِ عمران)

ترجمہ؛اوروہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔(کنزالایمان)

عربی کے مندرجہ آیت سورہ آل عمران کی آیت نمبر۱۶۴ کا آخری حصہ ہے۔یہاں ہم پوری آیت کا اردو ترجمہ درج کرتے ہیں تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کون لوگ کھلی گمرہی میں تھے۔

ترجمہ آیت نمبر۱۶۴ آل عمران: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جوان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے''اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(ترجمہ؛ کنزالایمان)

رسول اکرمؐ کی تشریف آوری ایسے زمانے میں ہوئی جب لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔عزیز بلگامی نے ''سکون کے لمحوں کی تازگی'' میں کچھ حمد ونعت بھی شامل کی ہیں۔انہوں نے رسول اکرمؐ کی تشریف آوری اور اس کے پس منظر کو نعتیہ اشعار میں حسن وخوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ایک مطلع اور ایک شعر ملاحظہ کریں۔

دعوت وہدایت کی،اک حسیں شفق لےکر،میرے مصطفےؐ آئے
کفر کے اندھیروں میں،نور کا طبق لےکر،میرے مصطفےؐ آئے
کفر تھا ضلالت تھی، مالکِ حقیقی سے، ہر طرف بغاوت تھی
بولہب کی بستی میں، پیار کا سبق لےکر، میرے مصطفےؐ آئے

کتابِ ہدایت قرآن حکیم نے جو صراطِ مستقیم ہمیں دکھائی ہے اس پر پوری طرح گامزن رہنے والے اہلِ ایمان انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔بے راہ روی کے شکار مسلمانوں کی کمی نہیں ہے۔رسولِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ سے کوسوں دور نظر آتا ہے آج کا مسلمان۔اگر اس کی عقیدت بیدار ہوتی ہے تو جلوس وجلسہ میں بیدار ہوتی ہے اور نعرۂ تکبیر ونعرۂ رسالت کی صدائیں بلند کرتا ہوا آج کا مسلمان تھکتا نہیں،پھر جلوس وجلسہ کے بعد وہی بے راہ روی راہ پاجاتی ہے۔یہ المیہ ہی تو ہے۔اس المیے کا اظہار یہ عزیز بلگامی کے دو مصرعوں میں ملاحظہ کریں جو رسولِ اعظمؐ کی بارگاہ میں ماشاءاللہ حرفِ ندا کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

فقط جلسوں میں اظہارِ عقیدت آج باقی ہے
کسے ہے یاد اب اُسوہ تمہارا یارسول اللہ

حق کے جانب دار باطل سے نبرد آزما ہونے کا عزم وحوصلہ ہمیشہ سے رکھتے آئے ہیں اور حق پرستوں نے اپنے عزم وحوصلہ کو عملی جامہ پہنایا بھی ہے۔یہی عزم وحوصلہ عزیز بلگامی کے یہاں بھی ملتا ہے۔

یہی اک آرزو ہے دھجیاں اڑ جائیں باطل کی۔اسی پر صرف کردوں زور سارا یارسول اللہ

ثناخوانِ مصطفےؐ صحابیِ رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ سے لےکر چودھویں صدی کے مجددِ اعظم امام سخن اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلویؒ اور ان کے بعد کے شعراء نے حضور اکرمؐ کی شان میں نعتیہ اشعار کی شکل میں خوب خوب گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں اور آج بھی تمام عالم میں شعرائے کرام حضورؐ کی بارگاہ میں نعت کے نذرانے پیش کررہے ہیں مگر حضور اکرمؐ کی کماحقہ تعریف وتوصیف نہیں ہوسکی۔اس مضمون کو بہت سے شعراء نے نظم کیا ہے۔ملکِ سخن کی شاہی جسے حاصل ہے میری مراد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاںؒ بریلوی سے ہے۔اسی مضمون میں ان کا ایک شعر (مقطع) ملاحظہ کریں۔

اے رضاؔ خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی (رضا)

اسی ضمن میں راقم الحروف کا بھی ایک مقطع دیکھتے ہوئے چلیں۔

جب خدا کرتا ہے خود مدحت رسولِ پاکؐ کی
کیا شفیقؔ بےنوا سے حق ادا ہو پائے گا (شفیق رائے پوری)

اس مضمون سے عزیز بلگامی کی لکھی نعت بھی مستثنیٰ نہیں ہے ان کا مقطع حاضر ہے ملاحظہ فرمائیں۔

خود خدا قرآن میں رطب اللساں ہے اے عزیزؔ
شاعروں سے کیا بیاں ہو شانِ ختم المرسلیں

''سکون کے لمحوں کی تازگی'' شعری مجموعہ میں درج غزلیں کتاب کے نام کی مناسبت سے سکون پرور ہیں۔انہیں پڑھنے سے ذہن ایک تازگی سی محسوس کرتا ہے۔

غزل کے لیے جن خوبیوں کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے وہ تمام خوبیاں ان کی غزلوں میں پائی جاتی ہیں۔زبان کی سلاست اور شگفتگی ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔اپنی بات کو منفرد اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔ان کی شاعری قارئین سے اپیل کرتی ہے کہ اسے پڑھا جایے۔

سخی اپنے مال ودولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے،ضرورت مندوں کو دیتا ہے جسے سخاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے،اس عمل کو نہ صرف اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے بلکہ یہ نیک عمل اللہ کے رسولؐ کو بھی پسند ہے۔عزیز بلگامی کے یہاں مقتول بھی سخاوت کرتے نظر آتے ہیں۔قتل ہوکر قاتل کو سر بھیک میں دینے کو موصوف نے سخاوت سے تعبیر کیا ہے اور اس مضمون کو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ایک شعر میں نظم کیا ہے ملاحظہ کریں۔

مقتول قتل ہوکے سخاوت ہی کر گیا۔قاتل کو سرفراز کیا سر کی بھیک سے

اسی زمین میں ان کا ایک شعر (مقطع) دیکھیے جس میں وہ بھیک میں ملے ساغر پر اپنی تشنگی کو ترجیح دیتے ہیں۔

بےغیرتی کا پینا بھی پینا ہے کیا عزیزؔ۔تشنہ لبی ہی اچھی ہے ساغر کی بھیک سے

آگے بڑھنے سے پہلے تنقیدی،تحقیقی شعور رکھنے والی چھتیس گڑھ کی عظیم شخصیت ادیب،شاعر حنیف نجمی کا ایک شعر پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس دور کا معیار سمجھ میں نہیں آتا۔کیا لکھتے ہیں فنکار سمجھ میں نہیں آتا

عصر حاضر میں شاعری کا معیار گرتا ہوا نظر آتا ہے، معیاری شاعری کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ متشاعروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ایسے میں معیاری شاعری کا فقدان لازمی ہے۔ اس بات کو عزیز بلگامی صاحب بھی شدت سے محسوس کرتے ہیں اور آج کی شاعری کے معیار سے نالاں نظر آتے ہیں۔

دکاں ہے فکر وفن کی آج خالی۔ نہیں ہے شعر کا معیار کوئی

آپ نظم ونثر دونوں میں یکساں مہارت رکھتے ہیں اور ایسی مہارت وہی شخص رکھ سکتا ہے جسے زبان اردو پر عبور حاصل ہو۔ ''سکون کے لمحوں کی تازگی'' ایک ایسا شعری مجموعہ ہے جو قارئین کو سنجیدگی اور اطمینان سے مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آیئے سنجیدگی کے ساتھ بنا کسی تبصرے کے ان کے اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں جن سے ان کی شاعرانہ عظمتوں کا پتہ چلتا ہے اور پھر ان کی نثری کاوشات پر نظر ڈالتے ہیں۔

ہر سمت آپ ہی کی سخاوت کا شور ہے۔ پھر کیوں یہ آپ وسعتِ دامن سے ڈر گئے
ہے بھلی ان کی سخاوت سے فقیری میری۔ ان کی جھولی سے برآمد ہوا کاسہ میرا
جدید دور کی دوشیزگی ترستی ہے۔ نزاکتوں کے لیے پاک دامنی کے لئے
اگر لبوں پہ ہی ابھریں گی چشمِ تر کے بغیر۔ دعائیں لوٹ کے آجائیں گی اثر کے بغیر
اخبار ہے یا خوں میں نہایا ہوا کاغذ۔ کیا قتل ہی اب مشغلہ اہلِ وطن ہے
میرے شعروں میں ہے افکار کا بہتا پانی۔ کیوں سروں کا یہ سمندر نہ ہو پیاسا میرا

''نقد وانتقاد'' عزیز بلگامی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے کرناٹک اردو اکاڈمی بنگلور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف دیارِ ہند بلکہ پاکستان، سعودی عرب، یو۔کے، امریکہ، اٹلی اور جاپان کے کل ۶۱ فنکاروں اور ادیبوں پر لکھے گئے مضامین جو موصوف نے گزشتہ ۳۵ سالوں کے دوران لکھے تھے شامل ہیں۔ اگر یہاں میں عزیز بلگامی صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ بے انصافی ہوگی۔ موصوف نے میرے استاد گرامی'' جناب سلیم احمد صاحب زخمی بالودوی (مرحوم) چھتیس گڑھ کا ایک باکمال استاد شاعر'' کے عنوان سے اس کتاب میں شامل کیا ہے اور مضمون کی تمہید میں اس خاکسار کا بھی تعارف پیش کیا ہے۔ میں عزیز بلگامی کا تعمق قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سراج زیبائی نے ''نقد وانتقاد'' کے پیش لفظ میں ''حضرت عزیز بلگامی کا اندازِ بیان'' کے عنوان سے موصوف کے اندر پوشیدہ تخلیقی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اسلوبِ تحریر پر جامع تبصرہ کیا ہے۔ اس مضمون سے اک اقتباس اخذ کر کے قارئین کی نذر کرتا ہوں تاکہ ان کے فنِ نثر نگاری کی تفہیم میں آسانی ہو اور ہم ان کے تنقیدی رجحانات کو سمجھ سکیں۔

''آپ کے یہاں کثرتِ مضامین کے ساتھ متنوع خیالات کی پیکر تراشی بھی ملتی ہے جس سے مضمون کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ فکر وخیال میں سنجیدگی وشائستگی اور اظہار وبیان میں سلیقہ اور رکھ رکھاؤ ہوتا ہے جس سے قاری پر یک گونہ فرحت وانبساط کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ان کی تخلیقی انفرادیت ان کے اسلوب اور طرزِ ادا کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، جو مسحور کن ہے۔ اس کتاب میں محترم عزیز بلگامی اپنی الگ شناخت اور انفرادی شان قائم کرنے میں یقینی طور پر کامیاب نظر آتے ہیں''۔

عزیز بلگامی کا شمار عصرِ حاضر کے بہترین شاعروں اور تنقید نگاروں میں ہوتا ہے۔ اردو ادب میں عزیز بلگامی کی مقبولیت کا حلقہ کافی وسیع وعریض ہے۔ آپ کی مقبولیت عالمی سطح پر ہے۔ آپ اپنے احباب کے دلوں میں بستے ہیں۔ کسی نے آپ کو حقیقی جذبات کا سچا عکاس کہا ہے تو کسی نے خوش گلو شاعر اور صاحبِ طرز ادیب، کسی نے آپ کو کسرِ نفسی کا پیکر کہا تو کسی نے ایک صاحبِ علم شاعر اور اسلام پسند شاعر۔ یہ تاثرات صرف احباب کی محبت کے ہی مظہر نہیں بلکہ عزیز بلگامی کی علمی صلاحیتوں اور ان کی قدر وقیمت کی صداقت کا اظہاریہ بھی ہیں۔

''زنجیرِ بے دست پا'' عطاالرحمٰن عطا ہسلوی کی شخصیت اور ان کے فن پر عزیز بلگامی کا ایک ایسا ادبی شاہکار ہے جس پر انہیں ایم۔ فل کی ڈگری تفویض کی گئی ہے یہ کارنامہ انہوں نے ڈاکٹر م۔ ن سعید صاحب کی رہنمائی میں سرانجام دیا ہے۔

عزیز بلگامی کی نثر نگاری کا ذکر ''بحرِ کوثر کی ایک آب جُو'' کے بغیر نامکمل ہوگا جو ناگپور کے معروف تجارتی پاریکھ خاندان سے تعلق رکھنے والی دنیائے اسلام کی نامور شخصیت مفسرِ قرآن حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مرحوم کی سوانح حیات ہے۔ جسے پاریکھ خاندان کے افراد نے عزیز بلگامی سے لکھوائی ہے۔ گرچہ کہ کتاب پر ''بقلم عبدالغفور پاریکھ لکھا ہوا ہے۔ تاہم ۲۷۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب عزیز بلگامی کی تحقیقی جاں فشانی کا ہی نتیجہ ہے جس کا اعتراف خود مولانا کے بڑے صاحبزادے جناب عبدالغفور پاریکھ صاحب مرحوم نے اسی کتاب میں صفحہ ۲۹ پر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''شہر بنگلور کے ساکن مشہور دین پسند ادیب اور ملک گیر شہرت کے حامل شاعر جناب عزیز بلگامی صاحب اپنی مصروفیات کے باوجود اس کام کی اہمیت اور افادیت کی خاطر کئی بار بنگلور سے ناگپور تشریف لائے اور یہاں قیام کر کے اس کام کو انجام دیا۔ والد محترم کی ''کتاب اللہ'' کی خدمات کے تعارف کی خاطر مسلسل کئی مہینے اپنے کمپیوٹر کے ساتھ مصروف رہے۔ دیگر شہروں کا بھی سفر کیا۔ مختلف خواتین وحضرات کا انٹرویو بھی لیا۔ والد محترم کی کتابوں کا دوبارہ مطالعہ بھی کیا۔ اخبارات کے تراشوں کا بھی جائزہ لیا۔ والد محترم کی ڈاک کی فائلوں میں عرق ریزی کی۔ قابلِ تذکرہ مواد کو کمپیوٹر میں محفوظ کیا، جس کے ذریعہ ہم اس قابل ہو سکے کہ اس کاوش کو ترتیب دیں''۔

یہ پیراگراف محترم عزیز بلگامی صاحب کی خدمات کو نہ تو کماحقہ سمیٹ سکتا ہے اور نہ انہیں کسی سے کسی اجر کی تمنا ہے۔ ظاہر ہے ان کی کاوش کے لیے ڈھیر ساری دعائیں تا زندگی ہوتی رہیں گی۔ اہلِ خاندان ان کے اس احسان کو کبھی نہ بھول پائیں گے۔ بلگامی صاحب کے لیے والد محترم کے رفقاء اور معاونین کے بھی یہی جذبات ہیں۔ ہم قارئین سے بھی محترم عزیز بلگامی کے لیے اپنے مخصوص اوقات میں دعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔

ہر دل عزیز وملنسار، نرم گفتار مترنم لہجے کے شاعر اور بلند فکر ادیب عزیز بلگامی کے شعری ونثری ادب پر یہ مختصر سا تبصرہ تشنہ ونامکمل ہے۔ خاکسار بھی عزیز بلگامی کے اعلیٰ فکر وفن کا معترف ہے۔ اور ان کے مداحوں اور تبصرہ نگاروں میں سے ایک ہے۔ خاکسار کی یہ کوشش انگلی کٹا کر شہیدوں کی فہرست میں شامل ہونے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کے مترادف ہے☆☆

انوار الحسن وسطوی

HasanManzil.AshyanaColony

Hajipur

Mob-9430649112

بدر محمدی: ''ہم عصر شعری جہات'' کی روشنی میں

بدر محمدی اردو دنیا میں ایک خوش فکر شاعر، مشاق نثر نگار، بالغ نظر ناقد، بے لاگ مبّصر اور بسیار نویس قلم کار کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ان کی تخلیقات اوران کے مضامین بہاراور بیرون بہار کے مشہور وکثیرالاشاعت اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے ہیں اوردل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔انھوں نے جہاں ایک صالح فکر شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کی ہے وہیں اپنی عمدہ نثر نگاری کے ذریعہ بھی اہل نظر کو متوجہ کیا ہے۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن جیسے جیّد ادیب، ناقد اور محقق نے آج سے گیارہ سال قبل بدر محمدی کے شعری مجموعہ ''بنت فنون کا رشتہ'' مطبوعہ 2011ء کے بیک کوور کی تحریر لکھتے ہوئے جہاں ان کی شعر گوئی کی تعریف کی وہیں ان کی نثر نگاری کی خوبیوں کی بھی ستائش کی تھی۔ موصوف نے لکھا تھا:

''بدر محمدی ریاست بہار کے ایک ابھرتے ہوئے ادیب ہیں، جن کی دل چسپی ایک جانب نثری ادب سے ہے اور دوسری جانب شاعری سے۔ وہ ایک اچھے تبصرہ نگاراور تجزیہ نگار کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ان کی نثری تحریر میں پختگی ہے، اسلوب متاثر کرتا ہے۔اس لیے بھی کہ وہ دلائل سے اپنی بات ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں''۔

(''بنت فنون کا رشتہ'' کے بیک کوور سے)

زیر مطالعہ کتاب ''ہم عصر شعری جہات'' بدر محمدی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔اس سے قبل ان کے دو شعری مجموعے ''بنت فنون کا رشتہ'' (2011) اور ''خوشبو کے حوالے'' (2017ء) شائع ہو کر ناقدین ادب سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔مختلف رسائل و جرائد کے خصوصی شماروں کے تبصروں پر مشتمل ان کی کتاب ''امعان نظر'' 2015ء میں منظر عام پر آ چکی ہے۔ اپنی اس کتاب کے ذریعہ بدر محمدی نے ایک اچھے اور بے لاگ مبصّر کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کی اور اب وہ اپنی تازہ ترین تصنیف ''ہم عصر شعری جہات'' کے ذریعہ ایک بالغ نظر ناقد کے منصب پر فائز ہو گئے ہیں۔اس طرح اردو دنیا میں بدر محمدی کی شناخت مختلف جہتوں سے قائم ہو چکی ہے۔انھوں نے بڑی سرعت سے اردو شعروادب کی دنیا میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ بدر محمدی نے اپنی اس تصنیف کا نام ''ہم عصر شعری جہات'' غالباً اس لیے رکھا ہے کہ انھوں نے جن شخصیات کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا ہے وہ سب کے سب شاعر ہیں اوران کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ بدر محمدی کی اس کتاب میں چوبیس (۲۴) شاعر شامل ہیں۔انھوں نے زیادہ تر شعرا کی غزل گوئی کو موضوع تحریر بنایا ہے۔ مگر غزل کے علاوہ حمد، نعت، رباعی، قطعہ، دوہا اور نظم کو اچھوتا بھی نہیں رکھا ہے۔ بدر محمدی نے جن چوبیس (۲۴) شعراء کے مختلف شعری جہات اور اسالیب کے حوالے سے گفتگو کی ہے، وہ ہیں سعید رحمانی، فرحت حسین خوشدل، علیم صبا نویدی، طالب القادری، ناوک حمزہ پوری، ظفر انصاری ظفر، ف۔س۔اعجاز، عطا عابدی، فردوس گیاوی، ظہیر صدیقی، شگفتہ سہسرامی، حمید ویشالوی، صبا نقوی، ضیاء عظیم آبادی، عبدالمتین جامی، اظہر نیّر، علیم الدین علیم، نفیس دسنوی، ظفر صدیقی، اشرف یعقوبی، منظور عادل، مینو بخشی اور شہناز شازی۔ دور حاضر کے شعراء کی یہ ایک ایسی فہرست ہے جن میں کچھ تو معروف ہیں، کچھ کم معروف اور کچھ غیر معروف، لیکن اس فہرست کے بیشتر شعراء تخلیقی اعتبار سے بہت متحرک اور فعال بھی ہیں اوران کی شعری صلاحیت بھی قابلِ داد ہے۔

بدر محمدی نے اپنی اس کتاب کا آغاز ''سعید رحمانی کی حمدیہ سحر کاری'' کے عنوان سے لکھے اپنے مضمون سے کیا ہے، جس میں انھوں نے سعید رحمانی کی حمد نگاری کی تعریف و توصیف کی ہے۔فرحت حسین خوشدل کی دعائیہ نظموں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے رنگ و آہنگ کو سراہا ہے۔علیم صبا نویدی کی نثری نعتوں کو وقیع اور قابلِ قدر قرار دیا ہے تو وہیں طالب القادری جیسے نعت گو شاعر کے شعری گلدستے میں فکر کی پاکیزگی اور فن کی پختگی ثابت کی ہے۔ ناوک حمزہ پوری کی نظمیہ رباعیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی رباعیوں کو مرقع عبرت تسلیم کیا ہے اوران کی رباعیات میں حکیمانہ افکار، نصیحت آمیز نکات اور عمل آمادہ ہدایات کی تلاش کی ہے۔ حافظ کرناٹکی کی قطعات نگاری کے جائزے میں حافظ کی نفسیاتی کیفیت اوران کی ادبی بصیرت ثابت کی ہے۔ظفر انصاری ظفر کے دوہوں کا تعارف ان کی تصنیف دوہے کا مجموعہ ''روٹی جیسا چاند'' کے حوالے سے کرایا ہے اوران کے دوہوں میں پائی جانے والی معنوی تہہ داری اور فنکارانہ ہنر مندی کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ پابند نظموں کی حمایت میں بدر محمدی نے جہاں ف۔س۔اعجاز کی چند پابند نظموں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے وہیں عطا عابدی

کی نظموں کا مجموعہ ''زندگی زندگی اور زندگی'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عطا عابدی زندگی، حرکت اور حرارت کے شاعر ہیں۔ مزید یہ کہ ان کی نظمیہ شاعری میں گفتار کی نرمی، اظہار کی بے باکی اور تیور کی جدّت ہے۔ ان کی یہ شاعری سادہ، سلیس اور تصنع سے پاک مگر جاذبِ دل ہے۔ فردوس گیاوی کی نظمیہ شاعری میں بدر محمدی نے تپش، حرکت و حرارت اور معاشرتی تبدیلیوں کے منظر نامے کو پیش کیا ہے۔

ظہیر صدیقی کے شاعرانہ اختصاص کا جائزہ بدر محمدی نے ان کی تصنیف ''روشن ورق ورق'' کے حوالے سے لیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب ابتدا تا انتہا حکایتِ ہستی سے پُر اور لبریز ہے۔ شگفتہ سہسرامی کی شعری گفتگو اور تازہ کاری کا جائزہ ان کے شعری مجموعوں ''یا صاحب الجمال''، ''جستجو'' اور ''شانتی'' کے حوالے سے لیا ہے۔ حمید ویشالوی جیسے غیر معروف لیکن استاد شاعر کی شاعرانہ حیثیت پر نہایت عمدہ تحریر شامل کتاب ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ صبا نقوی کی شعری جمالیات کے تعلق سے بدر محمدی کی رائے ہے کہ ان کی شاعری میں تابانی کا شعور، حسن رفاقت کی چاندنی، انا کا عکس اور خودی کا رچاؤ ہے۔ ان کی بے خودی میں بھی آگہی کا رنگ ہے۔ ضیا عظیم آبادی کے شعری مجموعہ ''رقصِ سیماب'' کے حوالے سے بدر محمدی نے ضیا عظیم آبادی کے شاعرانہ تشخص کا جائزہ لیتے ہوئے انھیں ایک قادر الکلام شاعر تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح ''اوجِ ثریا'' کے حوالے سے عبدالمتین جامی کی شاعری سے ان کی زمینی وابستگی ثابت کی ہے۔ علیم الدین علیم کی غزلوں کے سرمایہ میں بدر محمدی نے کئی موتی تلاش کیے ہیں جن میں وارداتِ قلب، تجرباتِ حیات، خود احتسابی، قناعت پسندی، انسان دوستی، حب الوطنی اور عزم پرستی جیسی خوبیاں قابلِ ذکر ہیں۔ بدر محمدی نے اظہر نیّر کو ان کے شعری مجموعہ ''سائے ببول کے'' کی کسوٹی پر پرکھنے کی سعی کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی شاعری ببول کے سائے کی طرح ہے۔ ظفر صدیقی کو تیکھے لہجے کا شاعر قرار دیتے ہوئے بدر محمدی نے تحریر کیا ہے کہ ان کے لہجے میں ندرت اور رنگ و آہنگ میں جدّت ہے اور یہ چیزیں بقول ان کے غزل میں ان کی پہچان بنانے کا وسیلہ ہے۔ اشرف یعقوبی کے شعری آہنگ پر اظہار خیال کرتے ہوئے بدر محمدی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اشرف یعقوبی کی شاعری فکر کی شاعری بھی ہے اور فن ان کا اپنا ہے، کیوں کہ ان کے تجربے بھی اپنے ہیں۔ بدر محمدی نے منظور عادل کے شعری مجموعہ ''اجالے قسطوں میں'' کے حوالے سے ان کے سرمایۂ سخن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ''وہ کاغذ پر زندگی کا عرق انڈیلتے ہیں'' اس لیے بہار و خزاں، دار و رسن، جنوں و زنداں اور دشت و صحرا جیسے الفاظ سے انھوں نے باغِ سخن کو آراستہ کیا ہے۔ بدر محمدی نے اپنی اس کتاب میں نفیس دسنوی کے شعری مجموعہ ''لفظ لفظ آئینہ''، مینو بخشی کے شعری مجموعہ ''تشنگی'' اور شہناز شازی کے شعری مجموعہ ''کرب نارسائی'' کا بھی عمدہ تجزیہ کیا ہے اور اپنی ناقدانہ بصیرت کا عمدہ ثبوت دیا ہے۔

''ہم عصری شعری جہات'' 216 صفحات پر مشتمل ہے۔ مضامین سے قبل کتاب کے تعلق سے چار تحریریں زینتِ کتاب بنی ہیں۔ پہلی تحریر ''جہت اوّل'' کے عنوان سے ہے جو خود مصنفِ کتاب کی تحریر کردہ ہے۔ ڈاکٹر اسلم حنیف (بدایوں) نے اپنی تحریر 'امتزاج پسند ناقد: بدر محمدی' کے عنوان سے تحریر کی ہے جبکہ ڈاکٹر حقانی القاسمی (دہلی) کی تحریر کا عنوان ہے ''نقد شعر اور بدر محمدی'' اور ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (کرناٹک) کی تحریر ''مشکل راہوں کا مسافر...... بدر محمدی'' کے عنوان سے رقم ہے۔ مذکورہ تمام ناقدین ادب نے بدر محمدی کی اس تنقیدی کاوش کو سراہا ہے اور اسے بدر محمدی کا ایک عمدہ کارنامہ قرار دیا ہے۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''بدر محمدی امتزاج پسند تخلیق کار بھی ہیں اور ناقد بھی۔ ان کی زیر بحث تنقیدی کتاب کا عنوان ''ہم عصر شعری جہات'' اس بات کا مظہر ہے کہ انھوں نے تنقید کے لیے جن شخصیات کا انتخاب کیا ہے وہ ان کے عہد سے تعلق رکھتی ہیں اور ان سب کا تعلق شاعری سے ہے''۔ (ڈاکٹر اسلم حنیف: ص۔ 14)

''بدر محمدی نے ''ہم عصر شعری جہات'' کے ذریعہ اردو شاعری کے ان آفتاب و ماہتاب سے روبرو کرانے کی کوشش کی ہے جو ہماری طرح اور بھی بہت سی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ انھوں نے تحسین شعر یا تفہیم شعر میں مثبت اور صحت مند رویہ اختیار کیا ہے۔ اس سے ایک ایسا معاصر شعری منظر نامہ ترتیب پاتا ہے جو ہماری تنقید کو ایک نیا آئینہ دکھاتا ہے''۔ (ڈاکٹر حقانی القاسمی: ص۔ 25)

''اگر یہ کہا جائے کہ ''ہم عصر شعری جہات'' بدر محمدی کے مطالعہ پسند مزاج اور اپنے ہم عصروں سے خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہے تو غلط نہ ہوگا۔ کیوں کہ انھوں نے کئی ایسے شعرا پر بھی تفصیل سے لکھا ہے، جنھیں تازہ واردانِ بساطِ ادب کہنا غلط نہ ہوگا۔ اس بات کے اعتراف میں تکلف نہیں ہے کہ بدر محمدی نے آج کے کئی تازہ کار شاعروں کی حوصلہ افزائی کی ہے تو کئی بزرگ شاعروں کو گمنامی کی دھند سے باہر نکالا ہے۔'' (ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی: ص۔ 30)

بدر محمدی کی تصنیف ''ہم عصر شعری جہات'' ان کی ناقدانہ بصیرت کا عمدہ نمونہ ہے۔ بدر محمدی نے اپنے عہد کے 24 شعراء کی قابل قدر شعری خدمات پر جس فراخ دلی اور کشادہ قلبی کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، یہ ایک قابلِ تحسین اور قابل قدر کارنامہ ہے اور ناقدری کے اس دور میں قدر شناسی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ امید قوی ہے کہ بدر محمدی کی یہ تصنیف قارئین کے درمیان قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اس کتاب کا کھلے دل سے استقبال کیا جائے گا۔

☆☆☆

تنویر پھول (امریکہ)

میر تقی میرؔ کی زمین میں ایک غزل

انھیں دل سے اپنا بنا کر چلے — جو تھیں حسرتیں وہ مٹا کر چلے
مرے دوستو! میں کہوں آج کیا — کہ تم رخ بدل کر دغا کر چلے
نہیں کوئی تم پر اثر کیا کریں — تمہارے لیے ہم دعا کر چلے
بڑا اجر ملتا معافی کا ہے — تمہارے ستم ہم بُھلا کر چلے
جیئے ہم جہاں میں بڑی شان سے — زمانے سے کیا داد پا کر چلے
چلن زیست میں بے وفائی کا ہے — یہ اہلِ زمن کو بتا کر چلے
رقیب آپ کے محفل میں مسکیں بنے — ہر اک اہلِ دل کو ستا کر چلے
کیا تم نے کیوں چاند بدلی کا کھیل — ہمیں اپنا جلوہ دکھا کر چلے
برائی جو کرتے رہے ان سے ہم — بھلائی براہِ خدا کر چلے
زمیں کو پلایا ہے کتنوں نے خوں — ستم گر لہو یاں بہا کر چلے

نہیں اس زمانے میں وہ لوگ پھولؔ
جو یاں صدقِ دل سے وفا کر چکے

صابرؔ کاغذنگری

H.No:1-3-35/B,NearOldRailway
Gate.SanjivaihColony.
Sirpur.Kaghaznagar504296

تری دزدیدہ نگاہی کے اشارے ہوتے
ہم تری زلفِ گرہ گیر کے مارے ہوتے
خانۂ دل میں مسرت ہی مسرت ہوتی
تم کسی روز اگر ہم کو پکارے ہوتے
ہم کو تسکین کا سامان میسر ہوتا
چار سو آنکھوں میں رنگین نظارے ہوتے
فاقہ مستی کا بھی احساس تمھیں ہو جاتا
زندگی اپنی جو مشکل میں گزارے ہوتے
آپ کے حصے میں رسوائی نہ آتی ہرگز
منزلِ شوق میں گر آپ ہمارے ہوتے
رکھ لیا ہم نے بھرم مہر و وفا کا صابرؔ
ورنہ بازارِ محبت میں خسارے ہوتے

مناظر حسن شاہین

H.No-60,MillatColony
Gaya-823001(Bihar)

ہجر کے صدموں سے لپٹی ٹولیاں رخصت ہوئیں
کرشن سے جب مل کے ساری گوپیاں رخصت ہوئیں
کٹ چکے ہیں بیشتر اخلاق و ایماں کے شجر
رخ سے میرے گاؤں کی شادابیاں رخصت ہوئیں
وہ ادائیں، وہ شرارت، وہ چہل بازی کہاں؟
بیاہ کے گیتوں سے میٹھی گالیاں رخصت ہوئیں
فکر کی رخ پر لکیریں، پشت پر بستوں کا بوجھ
آج کے بچوں سے ان کی شوخیاں رخصت ہوئیں
دل ہوئے پتھر کے اب لہجوں میں شیرینی کہاں
اب زبانوں سے ہماری نرمیاں رخصت ہوئیں
کہہ دیا اک بار ہی سب رونقوں نے خیر باد
جب ہمارے گھر سے پیاری بیٹیاں رخصت ہوئیں
دیدنی تھا کرفیو کے بعد کا منظر حسنؔ
شہر نا پُرساں سے خاکی وردیاں رخصت ہوئیں

سید محمد نور الحسن نورؔ نوابی عزیزی

QazipurSharif.P.O{Mundwa
Dist:fatehpur.Haswa-212653(U.P)

میرے آنگن میں نیا رنگ نظر آتا ہے
شام ہوتی ہے تو اک چاند اتر آتا ہے
کیا ہوا ہے مجھے کیوں گھر پہ مرے کل شب سے
جو بھی آتا ہے وہ با دیدۂ تر آتا ہے
جو بھی کہنا ہو وہ کہہ دیتی ہیں لفظوں کے بغیر
بات کرنے کا ان آنکھوں کو ہنر آتا ہے
ایسا منظر کہاں رکتا ہے کسی کے روکے
باندھ کر پاؤں میں اپنے جو بھنور آتا ہے
ختم جس پر ہو گزرتے ہوئے لمحوں کا سفر
اک نیا سال اسی لمحے سے ابھر آتا ہے
اک مدت سے بلاناغہ سرِ شام اے نورؔ
قافلہ شہرِ نوا کا مرے گھر آتا ہے

مدہوش بلگرامی

224-BehraSawdagar(East)
Hardoi-241001-(UP)
Mob.8726189282

مجھ کو تیرا پھول کے جیسا چہرہ اچھا لگتا ہے
گلشن گلشن، غنچہ غنچہ مہکا مہکا لگتا ہے
موسم موسم رنگ بدلتے ان چہروں کی بات ہی کیا
سب کے اندر خالی پن کا اندیشہ بھی لگتا ہے
اک آہٹ بھی ہجر کی ساعت جیسے ہو سوغات کوئی
وہ تو مجھ کو ہر اک لمحہ لوگو آتا لگتا ہے
بکھرے منظر، ٹوٹے رشتے، خوابوں کی بے کیفی سی
کوچہ گلی کیا شہر ہی سارا اب تو صحرا لگتا ہے
ٹوٹا ہے بس میرا ٹھکانہ اور تو کوئی بات نہیں
اس نے رخ یوں موڑا جیسے دل کا کالا لگتا ہے
گلشنِ ہستی میں خوشیوں کے آتے نہیں پنچھی مدہوشؔ
جس سے میرا جاناں مجھ سے روٹھا روٹھا لگتا ہے

شاخ انور

HouseNo-3-6-77.
BadhLocality.NearMotiMasjid
Adilabad-504001

یوں ضروری ہے ترا پیار بھی جینے کے لیے
جیسے میخوار کو مئے چاہیے پینے کے لیے
مجھ کو چاہا نہیں اس نے تو بھلایا بھی نہیں
یہ کرم اس کا ہے کیا کم مرے جینے کے لیے
زیست میں چند ہیں خوشیاں تو زیادہ غم ہے
عزم بھی، حوصلہ بھی چاہیے جینے کے لیے
اب کوئی چیز نہیں وقت کے دھاگوں کے سوا
دل کے دامن میں ہوئے چاک کو سینے کے لیے
کتنی آسائشیں انسان نے پیدا کرلیں
کتنے دن کے لیے دو روز کے جینے کے لیے
خود غرض آدمی کیا پار کرے گا انورؔ
ناخدا اور کوئی ڈھونڈ سفینے کے لیے

پھول محمد نعمت رضوی

C/O:AmjadiKitabGhar.Near
HighSchool.P.O:Sonbarsa
Sitamarhi-840000

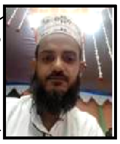

دکھوں کی آگ میں مجھ کو جلا رہا ہے کوئی
مرا نصیب بھی مجھ کو دکھا رہا ہے کوئی
جو میرے اپنے تھے وہ ہو گئے پرائے سب
خدا کا شکر کہ اپنا بنا رہا ہے کوئی
اندھیری رات کا لشکر شکست کھائے گا
نویدِ صبح کا پیغام لا رہا ہے کوئی
سجا کے رکھ دیا کمرے کو جب خیال آیا
ہمارے گھر ابھی مہمان آ رہا ہے کوئی
میں رفتہ رفتہ بلندی کی سمت جاتا ہوں
قدم قدم مجھے آگے بڑھا رہا ہے کوئی
میں اس کا شکریہ کیسے ادا کروں نعمت
میں گر رہا ہوں تو مجھ کو اٹھا رہا ہے کوئی

نلنی وبھا نازلی

Lecturer,Govt,PostGraduate
College.Hamirpur-77005(H.P)

اشک آنکھوں سے ٹپکتا کیوں نہیں
بن کے اک شعلہ لپکتا کیوں نہیں
برف کی سل بن گئی ہے زندگی
پھر سے یہ موسم دہکتا کیوں نہیں
وہ جنوں وہ ولولے اب کیا ہوئے
دل تو پہلے سا دھڑکتا کیوں نہیں
ابتدا سے جو ہمارے بیچ تھا
گل وہ رشتے کا مہکتا کیوں نہیں
نا امیدی کی اندھیری رات میں
اب کوئی جگنو چمکتا کیوں نہیں
ضبط اتنا نازلی تو نے کیا
دم سلگتا ہے بھڑکتا کیوں نہیں

الحاج ایم اے حمید عکسی

14-6-39Nizam pura,Mandi
Bazar Warangal-506002

تم کسی کو نہ کبھی کم تر و برتر رکھنا
دوستی اپنی سدا سب سے برابر رکھنا
ہونٹ پر پھول تبسم کے کھلا کر رکھنا
اپنے اشکوں کو زمانے سے چھپا کر رکھنا
صبح کی پہلی کرن لائی ہے خوشیاں لیکن
سامنے اپنے سدا شام کا منظر رکھنا
پھول تحفے میں کوئی دیتا نہیں ہے اب تو
لوگوں نے سیکھ لیا ہاتھوں میں پتھر رکھنا
اس سے چلتا ہے طبیعت کی نفاست کا پتہ
گھر میں ہر چیز قرینے سے سجا کر رکھنا
جب غزل اپنی کہو عکسی تو یہ یاد رہے
اپنے اشعار میں معنی کا سمندر رکھنا

غلام سرور ہاشمی

BasdilaTolaMyghyan
Gopalganj-841428(Bihar)

شمعِ الفت دلوں میں جلاتے رہو
تم بھی میری طرح مسکراتے رہو
وہ عداوت کے پودے اگاتے رہیں
تم ترانے محبت کے گاتے رہو
کر کے روشن سدا شمعِ علم و ہنر
تم جہالت کی ظلمت مٹاتے رہو
دشمنوں کو بھی اپنے لگا کر گلے
سنتِ مصطفیٰ کو نبھاتے رہو
شانتی کی ضرورت ہمیں ہے بہت
پرچمِ امن سرورؔ اڑاتے رہو

مدثر عمر کیفی

SabaHouse.DaccanMohalla
Piro-802207.Bhojpur(bihar)

رسمِ دنیا نبھا کے دیکھتے ہیں
تجھ کو اپنا بنا کے دیکھتے ہیں
ان کو دیکھا ہے تجربہ کر کے
پھر نیا گل کھلا کے دیکھتے ہیں
عشق میں اس کے مبتلا ہو کر
اپنی ہستی مٹا کے دیکھتے ہیں
وہ ہے کتنا کھرا خود اپنے میں
اس کو ہم آزما کے دیکھتے ہیں
اے عمر اس کی کتنی چاہت ہے
خود کو شیدا بنا کے دیکھتے ہیں

ساغر ملارنوی

At/P.O:MalarnaDoongar
Dist:SawaiMadhopur
Rahasthan-322028

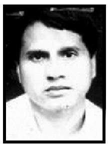

نفرت کا کبھی گرم نہ بازار کیا جایے
برباد کسی کا بھی نہ گھر بار کیا جایے
زخموں پہ کوئی رکھ دے ذرا پیار کا مرہم
کچھ یوں بھی مداوائے دلِ زار کیا جایے
ناکردہ گناہوں کا سزاوار دکھا کر
اس طرح کسی کو نہ سردار کیا جایے
دیکھو نہ حقارت کی نظر سے بھی کسی کو
کام ایسا نہ ہرگز اے مرے یار کیا جایے
جو آگ لگایے یہاں نفرت کی دلوں میں
رسوا اسے ساغر سرِ بازار کیا جایے

شمس الحق شمسؔ (ایڈوکیٹ)

At Deopur.P.O:Biribati
Dist:Cuttack-754100(Odisha)
Mob-9338815869

نظر جس سمت بھی اٹھی وہی منظر نظر آیا
ہمیں تو دوستوں کے ہاتھ میں خنجر نظر آیا
لگا دی آگ اس نے شہر میں شعلہ بیانی سے
ہراک کوچے میں بس جلتا ہوا ہر گھر نظر آیا
یزیدی فوج تھی گھیرے ہویے ہر سمت لوگوں کو
لبِ دریا ہمیں پیاسا علی اصغر نظر آیا
خدا جانے کہاں لے جایے مسلک کا ہمیں جھگڑا
مسلماں کو مسلماں بھی تو اب کافر نظر آیا
بہت شفاف رکھا آئینہ کردار کا جس نے
وہی سب کی نظر میں بے گماں برتر نظر آیا
بہایا کربلا میں شمسؔ اتنا خوں درندوں نے
زمیں تو سرخ تھی پھر آسماں احمر نظر آیا

ارشد دیوان

BarhampurJale
Darbhanga-847307(Bihar)
Mob-9264161866

جس کی اونچی اڑان ہوتی ہے
اس کی خطرے میں جان ہوتی ہے
ان سے ملتی ہے جو نظر میری
ہر خوشی پھر جوان ہوتی ہے
پاس میرے جو آپ ہوتے ہیں
یہ زمیں آسمان ہوتی ہے
تنگ آکر جدھر بھی جاتا ہوں
زندگی بے نشان ہوتی ہے
اب نہ راتیں نہ دن ہیں وہ ارشدؔ
ہر گھڑی امتحان ہوتی ہے

سہیل عالم

SufiNagar.BhoiLane
Kamptee-441001.Nagpur(M.S)
Mob-9370834678

یوں بھی کی جادہ پیمائی جاتی ہے
صحرا صحرا خاک اڑائی جاتی ہے
جھوٹی تہمت سے سچوں کی بدنامی
کی جاتی ہے یا کروائی جاتی ہے
جا کر دیکھو تم انصاف کے مندر میں
کیسے سچائی جھٹلائی جاتی ہے
دل میں نفرت کی چنگاری بھڑکا کر
شہروں شہروں آگ لگائی جاتی ہے
خیر ہو یارب اس زعمِ یکتائی کی
روٹھ کے اب شامِ تنہائی جاتی ہے
کرتے ہیں تسلیم حقیقت کب اپنی
کب یہ خوئے خود آرائی جاتی ہے
عقل پہ پتھر پڑ جاتا ہے جب عالمؔ
آنکھوں کے ہوتے بینائی جاتی ہے

محمد ممتاز شعورؔ

Qtr.No-E-2.PWDColony
BrooksHill.Sambalpur-768001

زخمِ دل سب کو دکھانے کی ضرورت کیا تھی
خود ہنسی اپنی اڑانے کی ضرورت کیا تھی
ایک ہوسکتے نہیں اپنے خیالات تو پھر
بے سبب بات بڑھانے کی ضرورت کیا تھی
دل سے دل تو نہیں مل پایا ہمارے اندر
اس طرح ہاتھ ملانے کی ضرورت کیا تھی
شکریہ آپ برے وقت میں کام آیے مگر
مجھ پہ احسان جتانے کی ضرورت کیا تھی
گر محبت کے اصولوں سے نہیں ہو واقف
صاف کہہ دیتے چھپانے کی ضرورت کیا تھی
جس کے دل میں نہیں ہمدردی کا جذبہ اے شعورؔ
حالِ دل ان کو سنانے کی ضرورت کیا تھی

منیر ارمان نسیمی

ChotaShankarpurBhadrak
Odisha

یہ سرور کیسا سرور ہے، یہ خمار کیسا خمار ہے
تیرا ساتھ جب سے نصیب ہے میری زندگی میں بہار ہے
میری ہر خوشی تیرے دم سے ہے، مجھے بے کلی تیرے غم سے ہے
مجھے ایسا عشق صنم سے ہے، کہ خزاں بھی جیسے بہار ہے
مجھے مل گئی ہے میری ڈگر، تو پھرے ہے کس لیے دربدر
کبھی پاؤں دھرتی پہ رکھ ذرا، کیوں ہوا کے رتھ پہ سوار ہے
میری بیٹی میرا وقار ہے، وہی میرے دل کا قرار ہے
اسے ہر طرح سے سنوار دوں، یہی وقت کی بھی پکار ہے
تجھے پا کے میں نے جو کھو دیا یہ مرے نصیب کی بات تھی
تجھے یاد کرکے جو رو دیا یہی اصل میں میرا پیار ہے

حسن امام فدائی

SweetRoseSchool.Dr.ZakirHasan
Road.Hazaribagh-825301
(Jharkhand)mob-9031815471

"ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں"
ماں کی طرح جہاں میں کوئی معتبر کہاں
کرتے ہیں جن کی قدر پیمبر بھی دیکھیے
اس مرتبے کا اور ہے کوئی بشر کہاں
منزل ہے کامیابی کی ماں باپ کی دعا
پھرتا بھلا ہے وہ تو کبھی در بدر کہاں
گر ماں نہ جنم دیتی ہمیں اس جہان میں
ملتا کسی بشر سے کوئی بھی بشر کہاں
ناراض ماں کے ہونے سے ہوتا ہے رب خفا
خوفِ خدا یہ دل میں کسی کے مگر کہاں
ماں باپ کی جو بات پہ اُف نہ کرے حسنؔ
ملتا ہے اس زمانے میں ایسا پسر کہاں

صابر جلالپوری

PachimTaraf.Jalapur
DistAmbedkarnagar-224149(U.P)

وقت ہوتا ہے تو مغرب کی طرف لوٹتے ہیں
ہم بھی جگنوشبِ راغب کی طرف لوٹتے ہیں
ساری دنیا کو ہے مرغوب شریعت کا نظام
جب کہ ہم غیر مذاہب کی طرف لوٹتے ہیں
اپنی تقدیر کا آئینہ بنے ہیں خود لوگ
اب نجومی نہ ہی راہب کی طرف لوٹتے ہیں
لوگ دیوانے ہیں حافظ کی غزل گوئی پر
ایک ہم لوگ ہیں غالب کی طرف لوٹتے ہیں
سچ بلندی کی طرف چڑھتا ہے زینہ زینہ
لوٹنے والے تو کاذب کی طرف لوٹتے ہیں
کربلا والوں کا احسان ہے صابرؔ ہم پر
آج جو واحدِ واجب کی طرف لوٹتے ہیں

عارف محمد عارفؔ

At:BadiShankarpur.Qureshi
Mohalla.Post:Bhadrak-756100

شاعری چیز ہے کیا اس کو تو ہم جانتے ہیں
قیمتِ حرف وسخن اہلِ قلم جانتے ہیں
بات جو سوچی ہے شاید کہ غلط ہو جایے
آپ کے راز کو ہم آپ سے کم جنتے ہیں
ظلم اور جبر ہے حیوانوں کی عادت لیکن
کرے جو خدمتِ انساں وہ دھرم جانتے ہیں
جب ارادہ کبھی ہوتا ہے سفر کا دل میں
ہم کو کس وقت اٹھانا ہے قدم جانتے ہیں
ایک منزل ہے مگر نام ہے دونوں کا الگ
جن کو سب لوگ یہاں دیر و حرم جانتے ہیں
اس لیے کرتے نہیں ان پہ بھروسا عارفؔ
بڑے ہرجائی بھی ہوتے ہیں صنم جانتے ہیں

صلاح الدین تسکینؔ

DewanBazar,Cuttack-753001
Odisha

پایا ہے میں نے خود کو اکیلا کبھی کبھی
آیا ہے جب خیال کسی کا کبھی کبھی
زینے پہ کہنہ سالی کے چڑھتے ہویے مجھے
آتا ہے یاد عہدِ گزشتہ کبھی کبھی
الجھا رہی ہے وہم کے صحرا میں ہر گھڑی
کرتی ہے زندگی بھی تماشا کبھی کبھی
اس کی گلی سے گزرا تھا بھولے سے ایک دن
کیوں ہو رہا ہے آج بھی چرچا کبھی کبھی
جس موڑ پر ملی تھی کسی سے کبھی نظر
آنکھوں میں گھومتا ہے وہ رستہ کبھی کبھی
معراج تشنگی کی ہے تسکینؔ یہ تری
تو دیکھتا ہے بوند میں دریا کبھی کبھی

محمد فرقان فیضیؔ

Chairman,ImamAhmedRaza
Library.Sarlahi.Nepal
Mob-009779804896870

خزاں کی رُت میں سراپا بہار چھوڑ گئے
رہِ وفا میں وہ اپنا پیار چھوڑ گئے
زمانہ جن کی مسیحائی کا دوانہ ہے
مجھے تڑپتا ہوا بے قرار چھوڑ گئے
تمام عمر جو پہلو بہ پہلو ساتھ رہے
شبِ فراق میں وہ سوگوار چھوڑ گئے
زمانے والوں نے پہلے ہی چھوڑ رکھا تھا
پھر ایک موڑ وہ آیا کہ یار چھوڑ گئے
اے فیضیؔ کون تھا وہ خوش نصیب جس کے لیے
ہمارے ساتھ ہمارا دیار چھوڑ گئے

صدام حسین پروازؔ

Edyappalam.Pinakkad
Malepuram.Kerala-676519

کارِ فرہاد کر رہا ہوں میں
خود کو برباد کر رہا ہوں میں
کان والوں کو باخبر کردو
آج ارشاد کر رہا ہوں میں
پھر تری یاد آگئی مجھ کو
سو تجھے یاد کر رہا ہوں میں
میری فطرت کا یہ تقاضا ہے
سب کی امداد کر رہا ہوں میں
روز مشقِ سخن سے اے پروازؔ
خود کو استاد کر رہا ہوں میں

جبیں نازاں

2ndFloor,J-23.NearAbdulla
Masjid.RajeshPark.LxmiNagar
NewDelhi-110092

دل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
"عشق پہ زور چل نہیں سکتا"
کوئی بس جایے گر کسی دل میں
وہ نکالے نکل نہیں سکتا
چھت پہ جب تک نہ یار آجایے
چاند پاگل نکل نہیں سکتا
اب یہ وعدہ وعید رہنے دو
روز یہ لاوا چل نہیں سکتا
اک روش یہ چلی ہے دنیا میں
راہ منکر بدل نہیں سکتا
خود کو رنگنا ہے رنگ میں اس کے
مجھ میں نازاںؔ وہ ڈھل نہیں سکتا

ندیم رائی مرادآبادی
198ChoudharyHouse
GulshaheedMuradabad-244001

افسانہ

اور وہ رو پڑے

بارات آگئی ہے۔اتر پردیش کے مغربی ضلع کے ایک تحصیل کی چہار دیواری میں جدید ٹینٹ سے آراستہ ''وہائٹ ہاؤس'' بنایا گیا ہے۔پورے گراؤنڈ میں سرخ قالین، سائڈوں میں ریشمی پردے، کرسیوں میں سفید کور، دیوقامت اسٹیج جس پر اسپنج کے موٹے موٹے گدّے، گاؤ تکیے لگے ہیں، اسٹیج کے پیچھے اسکرین کو مختلف اقسام کے پھولوں سے سجایا گیا ہے اور دونوں جانب آدم قد پھولدان جس میں تازہ پھولوں کی بے شمار لڑیاں آویزاں ہیں جن کی خوشبوؤں سے اسٹیج کے آس پاس کا پورا ماحول معطر ہو گیا ہے۔پر تکلف کھانے کے ساتھ یونیفارم زیب تن سروس بوائے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔باراتیوں کے طعام کا انتظام الگ سے کورڈ ہاؤس میں ہے تاہم بارات کو ناشتہ ایک بہترین گیسٹ ہاؤس میں پہلے ہی کرادیا گیا ہے۔طے شدہ پروگرام کے تحت نکاح خوانی ہوئی اور بڑے ہی اہتمام و انصرام کے ساتھ باراتیوں کو طعام کرایا گیا۔سروس بوائے کے علاوہ خصوصی طور پر میز بان بذات خود اپنے عزیز واقرباء کے ہمراہ براتیوں کی خاطر ومدارات میں پورے انہماک سے جٹے ہیں،اس احتیاط کے ساتھ کہ کسی باراتی کو کسی طرح کی کوئی تکلیف یا زحمت نہ اٹھانی پڑے،کھانے پینے کی تمام اشیاء وافر مقدار میں وہاں موجود ہیں۔چکن قورمہ،مٹن قورمہ،اسٹو،مٹن بریانی،باقر خوانی،نان،شیرخورمہ اور فش چکن فرائی بہترین قسم کی آئس کریم صرف ایک نہیں دو دو تین تین پیش کی جارہی ہیں۔ایک ایک فرد کے آگے دو دو تین تین ڈشیں بیک وقت رکھی گئی ہیں۔بالآخر بعد طعام بارات بخیر وعافیت واپس گیسٹ ہاؤس چلی گئی ہم دیر رات اپنے اپنے بستر کی زینت بن گئے۔

موبائل کی گھنٹی بجی تو میں نیند سے بیدار ہوا۔تقریباً صبح کے نو بجے تھے اطلاع ملی کہ ''لڑکے والے نت نئی مانگوں پر تلے ہیں آکر معاملے کو سنبھالو'' میں جلدی جلدی ضروریات سے فارغ ہو کر شادی ہال پہنچا، وہاں بتایا گیا کہ باراتی جہیز اٹھانے سے انکار کر رہے ہیں۔اور بضد ہیں کہ رخصتی دیدیں اور ایک دوروز کے بعد جہیز کا سامان بذات خود لے کر آئیں۔بہر حال میں نے اپنے لوگوں کو اکٹھا کیا اور لڑکے والے سے کہا کہ وہ اپنے حامیوں اور بچولیا کو بلائیں تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ہم سب لوگ مل کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔لیکن لڑکی والد ندارد تھے، ہم نے انہیں بلوایا۔وہ آتے ہی اپنے سمدھی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''یہ کیسی پنچایت بٹھائی ہے آپ سب نے۔ذرا آپ میرے ساتھ آیئے'' اور وہ اپنے سمدھی کو ایک کونے میں لے گئے، پانچ منٹ بعد جب وہ دونوں واپس آئے تو ان کے بیچ سب طے ہو گیا تھا۔سمدھی صاحب نے فوراً ہی اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جہیز اٹھاؤ اور ایک ڈی سی ایم میں اسے لاد کر چلنے کا انتظام کرو۔دونوں سمدھی گلے ملے تو لڑکی کے والد اچانک رو پڑے۔ان کے آنسو دیکھ کر لڑکے کے والد مزید موم کی طرح پگھل گئے۔اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے وعدہ کرنے لگے کہ اس کی بیٹی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ان دونوں کے بیچ کیا معاملہ فہمی ہوئی اس کا علم ہمیں آج تک نہیں ہے۔مگر اس باپ کی بے بسی اور اس کے آنسو ساری کہانی کہہ گئے تھے۔دراصل لڑکے والے بسوں کے آنے جانے کرایہ اور جہیز پہنچانے کے بندوبست کئے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

بیٹی کی ولادت اللہ کی رحمت، حضور اکرمؐ کی سنت اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ کا پہلا اسلام ہوتی ہے۔اسلام میں بیٹی کی پیدائش ایک نعمت بتائی جاتی ہے اگر ہم محسوس کریں تو یہ سب لفظ بہ لفظ درست ہے۔واقعی گھر میں بیٹی نعمت بن کر آتی ہے۔جس کی آمد سے گھر جنت نما بن جاتا ہے۔وہ اپنی ماں کی معاون وسہیلی اور غم گسار ہوتی ہے تو باپ کی خدمت گزار، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین، سکون اور راحت جاں ہے۔

لیکن جوں جوں وہ بڑی ہوتی ہے والدین کی راتوں کی نیند متاثر ہونے لگتی ہے والدین اسے تعلیم دلاتے ہیں پرورش کرتے ہیں اس کی چھوٹی بڑی ضدیں پوری کرتے ہیں لیکن جب وہ جوان ہوتی ہے تو یہی رحمت زحمت اور ان کی شادی ایک گنجلک مسئلہ بن جاتی ہے مناسب رشتہ کی تلاش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔گائے بکری کی طرح لڑکے والے لڑکیوں کو اوپر سے نیچے تک بار بار دیکھتے ہیں۔وہ پسند اور ناپسند کے جاں سوز مراحل سے گزرتی ہے۔اگر خوبصورت ہے اور مقدور بھر پیسہ بھی ہے تو اذیتیں کم برداشت کرنی پڑتی ہیں۔اور اگر وہ خوبصورت نہیں ہے اور پیسے سے بھی کمزور ہے تو پسند وناپسند کے ایسے ایسے مراحل سے گذرتی ہے کہ روح کانپ جاتی ہے۔کسی طرح جب رشتہ طے ہو جاتا ہے تو لین دین خاطر تواضع کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔موٹی موٹی رقموں کے ساتھ سونا چاندی، برانڈیڈ الکٹرانکس سامان، فرنیچر ودیگر اشیاء کی فرمائشوں میں کی تکمیل میں بیٹی والوں کو نانی یاد آجاتی ہے۔تمام فرمائشیں ولین دین قبل از وقت تکمیل کے مراحل تک پہنچانے کے بعد جب شادی کا دن قریب آتا ہے تو لڑکی والے کے لیے وہ دن کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔بیٹی والا غلام اور بیٹے والا حاکم بن جاتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی منظر نیپال سے لگے صوبۂ بہار کے ایک شہر میں ایک بارات کی رخصتی پر دیکھنے کو ملا۔تھکا دینے والے انتظار کے بعد شب گیارہ بجے بارات آئی جس میں ہندو مسلم دونوں محوِ انتظار اور فکر مند بھی کہ بارات رات گیارہ بجے آئی ہے تو بعدہٗ ناشتہ طعام تقریباً شب ایک بجے شروع ہوگا اور پھر ان براتیوں کو اپنے اپنے گھر واپس بھی جانا ہے جو دور دراز دیہاتوں اور تحصیلوں سے تشریف لایے تھے اور جن کے پاس واپسی کا کوئی نجی ذریعہ نہیں تھا۔اور یہاں رات بسر کرنے کا کوئی انتظام بھی نہیں تھا۔لہٰذا ان براتیوں میں سے بیشتر افراد آمد و رفت کا ذریعہ نہ ہونے کے سبب بنا کچھ کھایے پیٔے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔بارات کا دیدار ہوا اور نہ ہی ڈنر ہاتھ لگا۔بہر حال ۱۱ بجے شب بارات کا قافلہ نمودار ہوا۔بڑے احترام اور ناز و انداز کے ساتھ تقریباً آدھے گھنٹے میں دلہا میاں اسٹیج تک پہنچے۔دو آدمی انہیں پکڑ کر لے گئے تب کہیں جا کر اسٹیج کی زینت بنے۔کولڈ ڈرنکس ناشتہ تقسیم ہوا اور نکاح ہوتے ہوتے ایک بج گیا۔طعام کا آغاز ہوا اور قریب قریب صبح تک کھانا کھلانا چلتا رہا باراتی اور گھراتی اپنے اپنے گھروں کی طرف رواں دواں ہوئے دلہا اور ان کے قریبی رشتے دار صبح تک رخصتی کے لیے رک گئے۔

بوقت رخصت دلہن کے والد نے کچھ نقدی رقم اور دیگر ضروری چیزیں ایک ٹوکری میں رکھ کر دولہا کے والد محترم کو پیش کیں۔جناب نے جب رقم دیکھی تو چراغ پا ہو گئے اور بارات کے آنے جانے کے خرچ کی ڈیمانڈ کر ڈالی جو کہ تقریباً پچاس ہزار روپے ہوتی ہے۔جب کہ تقریباً پانچ لاکھ روپے طے شدہ رقم انہیں پہلے ہی سونپ دی گئی تھی۔ان کی مرضی کے مطابق جہیز کی تمام اشیاء کپڑے وغیرہ خریدے گئے تھے۔اور ٹرانسپورٹ کی کوئی رقم طے شدہ نہیں تھی۔بلکہ یہ بالکل تازہ اور نئی غیر متوقع ڈمانڈ تھی۔دولہا کے پھوپھا اور بہنوئی جامہ سے نکل کر بات کر رہے تھے۔وہ دیر سے کھانا کھلانے اور صبح کو صحیح انتظام نہ ہونے کی دہائی دے رہے تھے۔علاوہ ازیں ناشتہ سے لے کر کھانے کی اقسام تک پر تنقید کرنے پر تلے تھے۔لڑکی کے والد خموشی کی مورت بنے سب کچھ سننے پر مجبور تھے۔ایک لفظ بھی وہ اپنے منہ سے نہیں نکال پا رہے تھے۔ان کی یہ کہنے کی بھی ہمت نہیں تھی کہ یہ ڈمانڈ نئی ڈمانڈ ہے جو طے شدہ نہیں ہے۔تاہم طے شدہ تمام ڈمانڈ قبل از وقت پایۂ تکمیل تک پہنچا دی گئی ہیں۔لیکن وہ ایک غلام و ماتحت کی طرح اپنے آقا (سمدھی) کے جھوٹے سچے تمام الزامات سر جھکایے سن رہے تھے۔ساتھ ہی ساتھ لڑکی کے کسی رشتہ دار میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے بے ہودہ اور غلط الزامات کی تردید کریں۔وہ ڈر رہے تھے کہ ان کی لب کشائی سے معاملہ مزید نہ بگڑ جائے اور الزام ان کے سر آئے۔

وہ لوگ بضد ہیں کہ رخصتی کر دیں اور وہ جہیز لے کر نہیں جائیں گے۔

چونکہ ان کی بے عزتی ہوئی ہے اور برادری میں ان کا وقار مجروح ہوا ہے۔البتہ پچاس ہزار روپے دے دیں تو سارے معاملے نظر انداز کر دئے جائیں گے۔بیٹی کے والد نے اپنی ناکردہ غلطیوں کی کئی کئی بار معافی مانگی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔یہ عجیب حالات ہیں کہ ہم کوئی غلطی یا گناہ نہ کر کے بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے معافی کے طلبگار ہیں۔کیا اسے ہی اللہ کی رحمت کہا جاتا ہے۔حضورؐ اکرم کا پہلا اسلام اور آپؐ کی سنت سے بیٹی کو منسوب کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر کی کمائی ہوئی دولت نچھاور کرنے اور اپنے جگر کے ٹکڑے کو ان کے حوالے کرنے کے باوجود بھی ایک مجرم کی طرح ہاتھ جوڑے ان سے معافی کے طلبگار ہیں، وہ وار پر وار کیے جا رہے ہیں، کیا بیٹی کا باپ ہونا اتنا بڑا گناہ و جرم ہے کہ بستی میں احترام کی نظر سے دیکھے جانے والے صاحبِ ثروت، عزت دار، غیرت مند اور ایک کامیاب تاجر ہونے کے باوجود آج مجرم کی طرح کھڑے ہیں، تاہم اسلام میں تو بیٹی والے کے درجات بلند ہیں۔آج بھی عرب ممالک میں شادیوں کی رسومات میں لڑکی والے کا نہیں بلکہ لڑکے والے کو تمام اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔جہیز کی تمام اشیاء، زیور، فرنیچر، کچن کے برتن وغیرہ کا انتظام لڑکے کو بذات خود کرنا پڑتا ہے۔اور ساتھ ہی مہر کی جملہ رقم لڑکی والے کو نکاح سے پہلے ادا کرنی پڑتی ہے۔نکاح مسجد میں ہوتا ہے۔جہاں کسی قسم کا ناشتہ و طعام کا انتظام نہیں ہوتا۔اور نہ کوئی لین دین۔ وہاں لڑکیوں کی شادی زیرو خرچ میں انجام پذیر ہوتی ہیں۔اور لڑکی والوں کو احترام اور منزلت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔اور یہاں ایک دم برعکس ہے۔

اپنی بیٹی کی رخصتی کے ان پیچیدہ حالات کے پیش نظر وہ رو پڑے اور روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔بمشکل تمام انہیں ہوش میں لایا گیا اور ہوش میں آتے ہی اپنا فیصلہ سنایا کہ وہ بیٹی کی رخصتی نہیں کریں گے۔اب جو اس کے نصیب میں ہوگا..........دیکھا جائے گا.........یہ فیصلہ سن کر لڑکے والوں کے ہوش اڑ گئے اور وہ ششدر رہ گئے، انہیں اس ردِ عمل کی امید نہیں تھی۔انہوں نے معاملہ بگڑتا دیکھ کر غیر مشروط جہیز لے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔وہاں تقریباً سبھی نے اس بدلاؤ کو دیکھ کر لڑکی کے والد کو سمجھا بجھا کر ان کی بیٹی کی رخصتی کرادی۔

☆☆☆

شارق عدیل

MohallaChobdar.P.O:Marhera
Dist:Etah-207401(U.P)

ایک غزل

کب سے تنہائیوں کی سہیلی سی ہے — وہ جو لڑکی شگفتہ چنبیلی سی ہے
پہرہ دیوار و در پر ہے آسیب کا — زندگی ایک ویراں حویلی سی ہے
اس پہ ریکھائیں ابھریں یہ ممکن نہیں — چاند کی سطح میری ہتھیلی سی ہے
تجربے اتنے ہی اس کی جھولی میں ہیں — زندگی جس کی جتنی اکیلی سی ہے
وہ کبھی شان و شوکت میں ممتاز تھی — گاؤں سے دور جو اک حویلی سی ہے
کوئی سلجھایے شارقؔ یہ ممکن نہیں — زیست الجھی ہوئی اک پہیلی سی ہے

افسانہ

اقبال سلیم
97-Aiwan-E-Tahera
4thMain,8th Cross
JHBCS LayoutJ.P.Nagar Post
2ndStage.Banglore.560111

پشیمانی

ذراسی بات تھی مگر ڈیڈی کے غصیلے مزاج نے اسے رائی کا پہاڑ بنادیا تھا اس شام انہوں نے ممی سے کہا تھا، کہ ان کے چیف کے بیٹے کی سالگرہ پارٹی میں وہ دونوں مدعو کئے گئے ہیں، شرکت بہرحال ضروری ہے لہٰذا جلدی سے تیار ہوجائیں‘‘

ممی فطرتاً سادہ مزاج اور تنہائی پسند واقع ہوئی تھیں۔ بھیڑ بھاڑ اور دیگر پارٹیوں سے جہاں مرد عورتوں کا سنگم ہو انہیں سخت نفرت تھی۔ بینگلور یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ اردو ادب میں ایم اے کرنے کے باوجود ظاہرداری اور آزاد خیالی انہیں چھو تک نہیں سکی تھی جو آج نام نہاد ترقی یافتہ تہذیب کا ایک جزوِلانیفک ہے ۔اس کے برعکس ڈیڈی ایک اوسط گھرانے کے فرد تھے جو امریکہ میں سات برس گزار کر ایم بی اے کی ڈگری لے کر لوٹے تو اپنے ساتھ وہاں کی تہذیب اور معاشرت بھی اپنی رگ رگ میں سمولایے تھے۔ وہ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے والے اور یہ نئے زمانے کی روش سے متنفر۔ دونوں کے یہ مزاج کا تضاد ہمارے گھر کا المیہ بن کر رہ گیا تھا۔ دراصل دادی اماں مرحومہ کو ایک تقریب میں ممی اتنی پسند آئی تھیں کہ وہ اپنے مغرب زدہ بیٹے کے خیالات اور مزاج کو سمجھے بغیر دونوں کو شادی کے بندھن میں باندھنے کے ایک ہی سال بعد جنت سدھار گئی تھیں۔ ڈیڈی ممی کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتے تھے۔ انہیں پارٹیوں میں اپنے شانہ بشانہ رکھنا چاہتے تھے مگر اس بے چاری کو اس نام نہاد اونچی سوسائیٹی کے تکلفات اور چونچلوں سے ہول آتا۔ ڈیڈی اکثر کہا کرتے تھے کہ قدامت پسندی ان کی رگ رگ میں رچ بس گئی ہے۔ انہیں تو صدیوں پہلے پیدا ہونا چاہئے تھا۔ مگر ممی ان باتوں سے بے نیاز ایک زرخرید کنیز ہی کی طرح ان کی خدمت کرتیں اور ان کی ذرا ذراسی بات کا خیال رکھتیں ڈیڈی انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ہزار سعیٔ بسیار کے بعد بھی چراغ شمعِ محفل نہیں بن سکا تھا۔

مگر آج ....وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ممی پارٹی میں چلنے کو آمادہ نہیں ہوں گی، زبردستی پر اتر آئے اور ایک چھوٹی سی بات کو اپنے وقار کا سوال بنالیا۔ جب وہ معمول کی طرح انجان بنی رہیں تو ان کا غصہ بھڑک اٹھا۔ اس حکم اور اصرار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے لندن پلٹ چیف اور ان کی بیگم نے زیادہ ہی اصرار کیا تھا کہ وہ اپنی بیگم کو ضرور ساتھ لائیں۔ شکست اور ناکامی انسان کو جھنجلا دیتی ہے، چنانچہ ڈیڈی نے برافروختہ ہوکر میز پر رکھا ہوا گلدان ان پر کھینچ مارا۔ اگلے ہی لمحے خون کی ایک پتلی لکیر ممی کے ماتھے سے پھوٹ پڑی۔ اپنی زیادتی کا احساس کیے بغیر ڈیڈی پیر پٹختے ہوئے چلے گئے۔

اس دن مجھے ممی پر رحم کے ساتھ پہلی بار غصہ بھی آیا۔ ممی بالکل اللہ میاں کی گائے تھیں۔ شوہر کے اس غیر انسانی سلوک پر احتجاج تو درکنار حرفِ شکایت تک زبان پر نہ لائیں۔ میں نے انہیں سنبھال کر زخم کی مرحم پٹی کردی اور سمجھایا.....ممی آپ ڈیڈی کے ساتھ چلی جاتیں تو قیامت نہ آجاتی۔ وہ اس قدر غضب ناک کبھی نہ ہوتے۔

انہوں نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں جو آنسوؤں سے لبریز تھیں، اور کہا زہرا! ایک خوددار، نیک اور ذمہ دار عورت کے لیے اس کا شوہر ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ وہی اس کا سکھ اور وہی اس کا دکھ بھی۔ اس کی عزت اپنی عزت اور اس کی ذلت اپنی ذلت ہوتی ہے۔ وہ اسے کسی معاملے میں بھی ڈوبتے یا گرتے برداشت نہیں کرسکتی۔ یہی نہیں ایک اچھی عورت اپنی نسلوں کی تربیت کی ذمہ دار بھی ہوتی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میرے نسائی کردار اور وقار کی پامالی میرے لیے خودکشی کے پروانے سے کم نہیں۔ مجھے قدامت پسندی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ کیا عورت کا خود کو صرف اپنے شوہر کے لیے وقف کردینا قدامت پرستی ہے۔ میں تو صرف وہی کررہی ہوں جو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا ہے۔ میرا شوہر اور میرے بچے ہی میرے لیے سب کچھ ہیں اور میرا گھر میری دنیا ہے۔

ممی بھی کیا عورت تھیں ....شوہر کی مار کھا کر بھی ان کے لئے اپنائیت، وفا اور ایثار کے سوا کوئی لفظ ان کے منہ سے نہیں نکل رہا تھا۔

کئی مہینے گزر گئے۔ ایک بار ڈیڈی دہلی کے طویل سفر سے لوٹے تو انہیں شدید بخار نے آلیا جو آگے چل کر نمونیہ میں بدل گیا۔ انہیں ایک نرسنگ ہوم میں داخل کردیا گیا۔ ممی نے اس وقت اپنی نیندیں اپنا آرام سب کچھ ڈیڈی کے لیے وار دیا۔ دن رات ان کے پلنگ کی پٹّی سے لگی ان کی تیمارداری میں لگی رہتیں۔ ایک دن ڈاکٹر نے ایک لرزہ خیز خبر سنائی کہ ڈیڈی کے دونوں گردے خراب ہوچکے ہیں۔ جلد ہی انہیں کسی کا صحت مند گردہ نہیں لگایا گیا تو ان کی جان کی خیر نہیں۔

لیکن بہ ہزار سعیٔ بسیار کہیں سے بھی ایک گردہ دستیاب نہ ہوسکا۔ وہی دوست احباب جو ڈیڈی کو پارٹیوں میں مدعو کرتے اور انہیں سر آنکھوں میں بٹھاتے تھے صبح کے تاروں کی طرح غائب ہو گئے اس کسمپرسی کے عالم میں وہی اللہ میاں کی گائے سامنے آئی۔ ممی نے ایک گردے کو ڈاکٹر کے آگے پیش کر کے ایثار و وفا کی مثال قائم کر دی۔ ایک دن ان کا گردہ ڈیڈی کے لگایا گیا اور وہ جلد ہی بھلے چنگے ہو گئے لیکن ممی خود بستر سے لگ گئیں۔ آپریشن میں خرابی تھی یا کچھ اور، بہر حال وہ شہنشاہ بابر بن گئیں جس نے اپنے بیٹے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ فرق اگر تھا تو صرف شوہر اور بیٹے کا۔

اپنی قدامت پسند اور تاریک الذہن بیوی سے ایثار و وفا کا زندہ ثبوت ملنے کے باوجود بھی ڈیڈی کی کایا پلٹ نہیں ہوسکی۔ وہ صحت یاب ہو کر دفتر جانے آنے لگے تھے مگر ممی سے ان کی بے رخی میں فرق نہیں آیا۔ وہ دن میں صرف ایک بار نرسنگ ہوم آ کر ممی کی مزاج پرسی کر جاتے تھے۔ مجھے یہ سوچ کر ہول آنے لگتا تھا کہ کہیں وہ ممی کو اب ایک بوجھ تو تصور نہیں کر رہے ہیں۔

ہمارے کالج کی چھٹیاں تھیں اس لیے میں اپنا بیشتر وقت ممی کے ساتھ گزارتی تھی۔ یقیناً انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ وہ لمحہ لمحہ موت کے قریب ہو رہی ہیں۔ لہٰذا وہ گھنٹوں مجھے اپنے پاس بٹھا کر نصیحتیں کیا کرتیں۔ ''اپنے ڈیڈی کا خیال رکھنا، ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کرنا۔ وہ دل کے برے نہیں ہیں بس ان کے مزاج میں غصہ بہت ہے۔ اگر میں مر جاؤں اور وہ دوسری شادی بھی کر لیں تب بھی تم حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا۔ اپنی سوتیلی ماں سے سگی ماں کا سلوک کرنا۔ مجھے ورثے میں جو سبق ملے ہیں وہی سبق تمہارے لیے چھوڑے جا رہی ہوں۔ اچھے اخلاق و کردار اور نیک اعمال ہی انسان کا قیمتی سرمایہ اور آخرت کا توشہ ہوتے ہیں''۔

پھر ایک اداس اور خاموش صبح وہ ہم سے بہت دور چلی گئیں۔ ڈیڈی کلب کی سلور جوبلی تقریبات کے سلسلے میں رات بھر وہیں تھے۔ خبر ملتے ہی آئے مگر ان کی آنکھوں سے ایک آنسو تک نہیں ٹپکا، بس مجھے تسلی دی میرے آنسو پونچھے پھر شام کو ممی کو دفنا کر معمول کی طرح اپنے کام میں لگ گئے۔ انہی دنوں مجھے ایک میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ کالج گھر سے دور ہونے کے بنا پر مجھے وہیں ہاسٹل میں رہنا پڑا۔ ڈیڈی اپنی ایک دور کی رشتہ دار بوڑھی چاچی کو گاؤں سے لے آئے تھے جنہوں نے کسی حد تک گھر کو سنبھال لیا تھا۔ میں اتوار کو گھر آ کر ڈیڈی سے مل جایا کرتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد مجھے خبر ملی کہ ڈیڈی نے ایک آزاد خیال لکچرار سے شادی کر لی ہے جو ڈیڈی پر کنٹرول کرنے اور ہر محفل میں ہر دل عزیز اور مقبول شخصیت بنانے کی قدرت رکھتی ہے۔

ایک اتوار کو جب میں گھر آئی تو اپنی نئی ممی کو دیکھ بھی لیا۔ رضیہ ممی، ماڈل سے کم نہیں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی گھر کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ پرانے ملازموں کی جگہ اپنی پسند کے ملازم رکھ لیے۔ پھوپی کو گاؤں واپس بھیج دیا۔ ہر دوسرے تیسرے دن اپنے دوست مرد عورتوں کو مدعو کرتیں۔ کبھی خود اکیلی ان کے ہاں چلی جاتیں اس کے لیے ڈیڈی سے سے اجازت کی ضرورت نہیں سمجھتی تھیں۔ ڈیڈی سے بات کرنے کا ان کا انداز نہایت بے باکانہ تھا۔ وہ ان کے لئے ایک شوہر سے زیادہ ایک دوست بن کر رہ گئے تھے۔ لیکن وہ خوش تھے۔ اپنی ہم خیال اور خوابوں کی رفیقِ سفر کو پا کر انہیں سکون بھی مل گیا تھا انہوں نے ان کے لیے ایک کار بھی خرید دی تھی۔ ان کی ہر خواہش کی تکمیل کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ لیکن جلد ہی گھر میں چھائی اس بہار کو ایک بار پھر وقت کی خزاں نے چاٹ لیا۔ چند ماہ ہی گزرے تھے کہ گھر کا سکون دودھ کا ابال ثابت ہونے لگا۔ رضیہ ممی نے سانپ کی طرح کینچلی بدلی۔ انہوں نے ممی کے سارے زیورات ایک ایک کر کے اپنے لاکر میں منتقل کر دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گیسٹ ہاؤس بھی اپنے نام کر لیا۔ ڈیڈی سے بات کرنے کا انداز بھی دوستانہ سے تحکمانہ ہو گیا۔ ڈیڈی کے منھ کو ایک چپ سی لگ گئی۔

ایک دن ڈیڈی کی طبیعت خراب تھی۔ رضیہ ممی کلب جانا چاہتی تھیں۔ ڈیڈی نے خرابیٔ طبیعت کی بنا پر ان کے ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کی تو انہوں نے گیرج سے کار نکالی اور تنہا ہی کلب چلی گئیں۔ انہوں نے ڈیڈی کی خرابیٔ صحت کا بالکل نوٹس نہ لیا۔ جب وہ رات گئے لوٹیں تو دروازہ کھولتے ہی شراب کی بو کا ایک بھبکا میری ناک سے ٹکرایا تو میں سن ہو کر رہ گئی۔ وہ ڈیڈی نے ان سے باز پرس کی تو نادم ہونے کے بجائے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔ اگلی اتوار کو میں گھر گئی تو وہ وہاں نہیں تھیں۔ مجھ سے رہا نہ گیا میں نے ڈیڈی سے پوچھا ممی کہاں ہیں؟ وہ کھڑکی میں کھڑے خلاؤں میں گھور رہے تھے، پلٹ کر چند لمحے کھوئے کھوئے سے میری آنکھوں میں دیکھتے رہے پھر بولے۔

نہیں زہرہ! رضیہ اب کبھی یہاں نہیں آئے گی۔

مگر کیوں ڈیڈی.........؟ میرے حلق میں کوئی چیز اٹکنے لگی۔

وہ کل ہی مجھ سے لڑ کر گئی ہے، کہتی تھی کہ اس بنگلے کو اسکے نام کر دوں۔ میں نے انکار کیا تو بھڑک اٹھی اور بولی! میں نے تم سے شادی کی ہے مگر اپنی آزادی نہیں بیچی۔ تم مجھے میرے دوستوں سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔ میرے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری بیوی ہوں، زر خرید لونڈی نہیں اس گھر کے ایک ایک اینٹ پر میرا بھی حق ہے۔ میں ان بے وقوف عورتوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے مرد کی ایک ڈانٹ پر مٹّی کا تیل ڈال کر جل مرنے کی سوچنے لگتی ہیں۔

زہرہ! میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر گھر کا مطالبہ میری برداشت سے باہر ہے۔ اس سے تو غرض اور بے اعتمادی ظاہر ہے۔

یہ سن کر مجھے بے اختیار مرحومہ ممی یاد آ گئیں۔ ان کے ماتھے سے پھوٹتی

ہوئی لکیر نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ اگر اس وقت وہ زندہ ہوتیں اور ایسے مطالبات کرتیں تو..................

میں ڈیڈی کے سینے سے لگ کر بے اختیار پھوٹ پڑی۔ ڈیڈی کاش چند لمحوں کے لئے آپ نے میری مرحومہ ممی کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھا ہوتا۔ کاش آپ نے اس بے زبان کنیز کو سمجھنے کی کوشش کی ہوتی، جس نے اپنی جان نچھاور کر کے اپنے آقا کو موت کے جبڑوں سے چھینا تھا...... کاش آپ نے وفا کا مفہوم سمجھا ہوتا اور اس کی قدر کی ہوتی...... کاش کسی اچھے اسپتال لے جا کر ان کا علاج کروایا ہوتا....... کاش.......

میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی، آواز میرے حلق میں گھٹ کے رہ گئی لیکن ڈیڈی خاموش تھے۔ وہ پتھر کی مورت بنے خلاؤں کو تکے جا رہے تھے۔ میں نے انھیں بازوؤں سے سے پکڑ کر بستر پر بٹھایا اور کہا! ''ڈیڈی اب سب کچھ بھول جایئے اب کچھ نہیں ہوسکتا''۔

امتحانات قریب تھے۔ میں ہاسٹل میں پڑھنے میں مصروف تھی اور بہت دنوں سے گھر بھی نہیں گئی تھی۔ ایک رات ڈیڈی نے ملازم کی مدد سے فون کر کے مجھے بلایا۔ میں پہنچی تو بستر پر ایک لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ انہیں ایک سو پانچ ڈگری بخار تھا ان پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں کچھ کہہ رہے تھے۔ میں نے کان لگا کر سنا، وہ مرحومہ ممی کا نام لے کر کچھ بڑبڑا رہے تھے اور ان کی آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے تھے۔ میں پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور ٹھنڈے پانی میں کپڑا بھگو کر ان کے ماتھے پر رکھا تو انہیں جیسے ہوش آ گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور یک بیک مجھے اپنے سینے سے لپٹا کر رونے لگے۔

زہرہ بیٹی !..... انہوں نے سسکتے ہوئے کہا، تمہاری فرشتہ صفت ماں ......وہ پھر سسکے........ کاش وہ اس وقت میرے سامنے ہوتیں اور میں ندامت کے آنسوؤں سے اس کے پیر دھوسکتا۔

ڈیڈی!'' میں نے دل تھام کر ایک کرب کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کہا۔ وقت گزر چکا.........اور گزرا ہوا وقت لوٹ کر نہیں آتا۔

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے اسی طرح لپٹے ہوئے اور ممی کو یاد کرتے روتے رہے۔

اگلے دن علی الصبح میں ان کا ٹمپریچر دیکھنے کے لیے ان کے قریب پہنچی تو بستر پر ان کا برف کی طرح سرد جسم پڑا ہوا تھا مگر ان کے چہرے پر سکون تھا۔ ایسا ہی سکون جیسا کسی قیدی کو اذیتیں برداشت کرنے کے بعد آزادی نصیب ہونے کے بعد ملتا ہے۔

☆☆☆

مطیع اللہ نازش
DarusSalam D/23.CDA.Sector-6.
Cuttack-753014

اردو کا سفینہ

اڈیشا اردو کا اک سمندر ہے
اور تاریخی شہر کٹک اردو کا ایک جزیرہ
جس میں اردو کا سفینہ
تلاطم خیز موجوں کا سامنا کرتے ہوئے
ساحل کی طرف رواں دواں ہے
یہاں اردو کی فضا ہمیشہ سرگرم رہتی ہے
ادبی ادارے بھی ہیں
جو مشاعروں کا اہتمام کرتے ہیں
مدرسے، اسکول اور کالج بھی ہیں
جن میں اردو تعلیم کا نظم ہے
اردو کا مدرسہ بورڈ ہے بھوبنیشور کے
اردو بھون میں
یہاں اردو اکاڈمی بھی ہے
جو قائم ہوئی تھی فروری ۱۹۸۷ء میں
جس کے قیام کا سہرا اڈیشا کے سابق وزیر اعلیٰ
جانکی بابو کے سر جاتا ہے
اس کے تاسیسی ممبران ہیں
قمر الدین، معین الدین، مظفر حسین،
مطلوب علی، مولانا اسمٰعیل، کرامت، لیاقت
حفیظ اللہ نیولپوری، مطیع اللہ نازش
اولین سکرٹری منظور احمد قاسمی
پھر عبدالسلام، اسمٰعیل آذر بطور سکریٹری
سبھوں نے اپنے اپنے طریقے سے
اکاڈمی کے کاز کو آگے بڑھایا
سردست اس کے سربراہ ہیں
ڈاکٹر سید مشیر عالم
ایک فعال شخصیت جن کی رہنمائی میں
اکاڈمی ارتقائی منزلیں طے کرتی جاری ہے
نظم و نسق کا سلیقہ ان میں خوب ہے
اکاڈمی کا ترجمان ''فروغِ ادب''
ان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے
اور ہندوستان گیر سطح پر مقبول ہے
اکاڈمی اردو کے قابل
طلبہ و طالبات کو وظیفہ دے کر
حوصلہ افزائی کرتی ہے
اردو اساتذہ کے لیے تربیتی پروگراموں کا
سلسلہ بھی جاری ہے
یہ اکاڈمی گاہے بگاہے سمینار، مشاعرے
اور دیگر ثقافتی پروگرام کا اہتمام کرتی ہے
اردو مصنفین کو مالی امداد کے علاوہ
اکاڈمی خود بھی کتابیں شائع کرتی ہے
ہمارے وزیر اعلیٰ نوین جی صدرِ اکاڈمی ہیں
وہ چاہیں تو قلم کاروں کے لیے بھی
امدادی رقم کا سلسلہ شروع ہوسکتا ہے
ڈاکٹر سید مشیر عالم کی سربراہی میں
اکاڈمی کو ترقی کی راہوں میں گامزن دیکھ کر
اے نازش ہمارے دل سے یہ دعا نکلتی ہے
اللہ تعالیٰ ڈاکٹر سید مشیر عالم کے حوصلوں کو
جلا بخشے اور اکاڈمی یوں ہی آگے بڑھتی رہے
ڈاکٹر مشیر عالم کی کاوشیں
بہر طور لائقِ ستائش ہیں
اور انھیں ہم ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں

☆☆☆

افسانہ

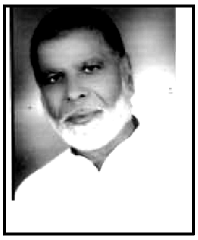

حبیب ریتھ پوری
Rithpur
Dist-Amravati-444704(MS)
Mobile-9403860486

تاریخ

کیا اس بات کا بھی کہیں ذکر ہوگا؟ تمہارے لکھے جانے والے واقعات میں اس بات کو بھی کہیں لکھا جائے گا؟ تمہاری تاریخ کی کتابوں میں اسے بھی جگہ ملے گی؟ اس بات کو اس واقعہ کو بھی تم اپنی کتاب میں لکھ سکو گے؟..............کیا.........کیا.........؟

اور میں ان سوالوں کے سامنے خود کو بے بس اور مجبور محسوس کر رہا ہوں، میں ان باتوں کا جواب دے سکتا ہوں اور نہ ان باتوں کی اہمیت سے انکار کر سکتا ہوں۔

جب اس نے بڑھ کر میرا شانہ جھنجھوڑا تھا اور مجھے گریبان سے پکڑ لیا تھا

اس وقت کی بے بسی اور مجبوری میرے ذہن سے کسی چیونٹی کی طرح چپک گئی ہے جو باوجود کھرچنے کے بھی نکل نہیں سکتی، دور نہیں ہو سکتی.......اور میں سوچ رہا ہوں کیا واقعی ان باتوں کا ہم تاریخ میں ذکر کر سکتے ہیں۔

مجھے اس علاقے میں آئے ہوئے دو ہفتے گزر گئے ہیں۔ میں جو ایک مؤرخ ہوں' تاریخ نویس ہوں اتہاس کار ہوں' اس علاقے کی صحیح تاریخ مرتب کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ پچھلی جنگ میں جیتا گیا نیا علاقہ اور پرانا علاقہ گنوایا گیا۔ پھر سمجھوتے کے بعد نئی سرحد لائن.........اور اس قسم کی دوسری معلومات کو اپنی عینی بصری مشاہدہ کے بعد ہی میں اسے تاریخ کے صحیح نقشوں میں ڈھال سکتا ہوں اور مجھے اس علاقے کی صحیح تاریخ مرتب کرنی ہے۔ اسی لیے میں اس علاقے میں گھوم پھر کر عینی مشاہدہ اور مقامی لوگوں کی گفتگو، دیگر علامات و نشانات سے صحیح اور معتبر باتیں اخذ کر رہا ہوں۔ جگہ جگہ میں نے ٹوٹے ہوئے ٹینک، جھلسی ہوئی زمین' سوکھے پیڑ، جلا ہوا سبزہ، کسی جہاز کا ادھ جلا ملبہ اور کہیں کہیں کوئی انسانی کھوپڑی.....جو اپنی تمام تر خوف ناکیوں کے ساتھ حالاتِ جنگ بیان کر رہی تھی دیکھی ہے۔ لوگوں کی زبانی اس دور کی لرزہ خیز داستانیں سنی ہیں۔ دل ہلا دینے والے واقعے، رلا دینے والے قصے، چونکا دینے والی باتیں' غرض کہ کتنی ہی قسم کی داستانیں سنی ہیں۔ میں نے مختلف مقامات کی تصویریں بھی لیں، جو میرے کیمرے میں محفوظ ہیں۔ مگر باوجود ان سب کے میری مہم ابھی تشنہ تھی۔ کام نامکمل تھا۔ ابھی مزید معلومات کی ضرورت تھی اور اسی لیے میں ہر روز صبح گلے میں کیمرہ لٹکائے ضروری کاغذات، روشنائی، نقشے اور کھانے پینے کا سامان جیپ میں رکھ کر نکلتا۔ جہاں تک جیپ کام دیتی چلا جاتا، اگر ضرورت محسوس ہوتی تو پیدل بھی چلتا۔ اور ضروری معلومات جمع کر کے ہیڈ کوارٹر کو واپس آجاتا۔ راستے ہی میں کہیں ناشتہ اور دوپہر کا کھانا کھاتا، دوپہر گزارتا اور شام کو واپس آکر دن بھر کی معلومات کو ترتیب دیتا۔ نقشے بناتا.........اور پھر دوسری صبح کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لئے خود کو بستر کے حوالے کر دیتا۔ رات نہ جانے کیسے گزر جاتی...اور پھر صبح ہو جاتی۔ اس طرح سے یہ دو ہفتے بیت گئے تھے۔ میں جلد سے جلد معلومات یکجا کر کے شہر واپس لوٹ جانا چاہتا تھا۔

آج صبح جب میں پھر اپنی مہم پر روانہ ہونے کو تھا تو دیکھا کہ مطلع ابر آلود ہے اور ہوا بھی خاموش کہیں دبک گئی ہے۔ ماحول پر ایک عجیب سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ سورج بھی ابر میں روپوش ہو چکا تھا۔ اور اس دھند لکے نے ماحول کو اور بھی پر اسرار بنا دیا تھا۔ فضا بوجھل بوجھل اور کند سی لگتی تھی۔ میں نے بھی آج سمت بدل دی اور پچھلے چار دنوں تک جس سمت میں کام کر رہا تھا اس کی مخالف سمت میں معلومات حاصل کرنے کے اشتیاق سے نکل پڑا۔

جیپ ابھی دس بارہ کیلو میٹر ہی گئی ہوگی کہ ابر گھنا ہو گیا۔ اس کا رنگ بھی گہرا سیاہ ہو کر بھیانک روپ اختیار کرنے لگا۔ ہوا بھی آہستہ آہستہ فرّاٹے بھرنے لگی اور بجلی کی چمک کے ساتھ گرج اور تیز تیز چھینٹوں کا پھوار شروع ہو گیا۔ پہلے تو میں کچھ دور پکی سڑک پر جیپ دوڑاتا رہا.......کسی محفوظ مقام کی تلاش بھی تھی مگر جب مجھے آدھے گھنٹے کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی کوئی محفوظ مقام نظر نہیں آیا اور جیپ بھی کیچڑ میں پھنس کر ایک ہی جگہ گھر گھر کرنے لگی تو میری پریشانی بڑھ گئی۔ ادھر بارش بھی تیز ہو گئی تھی کہ سڑک پر گھٹنے گھٹنے پانی بہنے لگا تھا۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر بارش کی پھوار نے میری نظروں کو بیچ ہی میں روک دیا۔ میں زیادہ دور تک نہ دیکھ سکا، بس صرف چند گز تک ہی میری نظر کام کر سکی۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ سڑک سے کچھ ہی دوری پر دھواں اٹھتا نظر آیا۔ دھواں جھاڑیوں کی اوٹ سے اٹھ رہا تھا۔ میں نے سوچا وہاں کوئی آبادی یا گاؤں ہوگا، یا کم از کم کوئی انسان ضرور ہوگا۔ میں نے جیپ سے چھتری نکالی اور برساتی اوڑھ کر اس جانب روانہ ہوا۔ اور دھوئیں کی نشاندہی پر چلنے لگا۔ کوئی راستہ نہ کوئی پگڈنڈی۔ میں جھاڑیوں اور گڑھوں سے بچتا بچاتا آگے بڑھا اور تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھے ایک جھونپڑا نظر آیا، دھواں اسی جھونپڑے سے نکل کر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا، مگر بارش کی بوندیں اسے وہیں دفن کر دیتی۔ میں نے جھونپڑے کے دروازے پر دستک دی........آواز دی، دوسری تیسری آواز پر دروازہ کھلا اور سامنے ایک عورت جس کی عمر پینسٹھ ستر کے درمیان ہوگی کھڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اپنا مدعا بیان کرتا، وہ دروازے سے ایک طرف ہوتے ہوئے مجھے اندر آنے کو کہنے لگی۔ میں نے اپنی چھتری اور برساتی اتار کر کھونٹی میں ٹانگ دی اور بوڑھی کے پیچھے چلنے لگا۔ بوڑھی مجھے ایک کمرے میں لے گئی، کمرہ بالکل سادہ تھا دیواریں اور فرش مٹی کی اور مٹی سے ہی لیپی پوتی ہوئی تھیں۔ ایک چٹائی بچھا کر اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ دیکھا کہ وہاں تصنع یا بناوٹ، ظاہر داری یا فیشن کے نام پر کچھ نہیں تھا.........جو کچھ تھا وہ فطری تھا۔ قدرت کے بخشے ہوئے حسن میں جو تھا وہ انسان کے مصنوعی پیدا کردہ چیزوں میں نہیں ہوتا۔ بوڑھی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی شاید وہ اسے کچن کے طور پر استعمال کرتی

تھی۔ جہاں سے کچھ کھٹر پٹر کی آواز آرہی تھی۔ برتن کھنکنے کی آواز اور آنچ تیز ہونے سے روشنی پھیلی تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ پکا یا بنا رہی ہے۔

چند منٹ بعد بوڑھی مٹی کی ایک رکابی میں دودھ اور دوسری میں مکئی کی روٹی میرے سامنے رکھ دی۔ میں نا.......نا کرتا رہا، مگر اس نے کچھ اس طرح اصرار کیا کہ میں انکار نہ کر سکا۔ اس کے اصرار میں ایک ماں کی ممتا تھی جو اپنی روٹھی اولاد کو سمجھا منا کر کھانا کھلاتی ہے۔ اس بیوی کا پیار تھا جو اپنے ناراض شوہر کی خوشامد کر کے اسے کھانا کھلاتی ہے۔ اس بہن کا درد تھا جو اپنے بھائی کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی۔ میں نے مجبوراً وہ دودھ اور مکئی کی موٹی موٹی روٹی کھائی۔ میں جو شہر کے عالیشان ہوٹلوں میں لنچ اور ڈنر اڑانے کا عادی تھا۔ شاندار ڈائننگ ٹیبل پر ہال میں وہسکی و بیئر کے سِپ کے ساتھ مرغ و ماہی اور انواع واقسام کے لوازمات سے سجے کھانے کا عادی تھا، بوڑھی کی پروسی ہوئی چیزوں کو مزے لے کر کھالیا۔ اور اگر اس کو تعلّی یا تصنع نہ سمجھا جائے تو کہوں.........میں نے اس میں لطف بھی پایا، مزہ بھی حاصل کیا اور سیر بھی ہوا۔

بارش ابھی تک جاری تھی۔ بڑھیا میرے نزدیک فرش پر بیٹھ گئی۔ اور اس نے میرے متعلق پوچھا۔ میں حیران رہ گیا کہ ایک اجنبی کے لیے اس بڑھیا کے دل میں یہ ہمدردی کیسی......اور کیوں.......؟ اور اب جب کہ میں کھا پی چکا ہوں تو میرے بارے میں پوچھ رہی ہے، مگر میں نے اس خیال کو اپنے ہی حد تک رکھا اور ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور اسے بتایا کہ میں مؤرخ ہوں........یہ لفظ شاید اس کی معلومات کے لئے نیا تھا۔ بھاری تھا، پھر میں نے خود ہی اس کی تشریح کر دی۔ میں اور میرے جیسے بہت سارے لوگ ان تازہ واقعات کو اور گزرے ہوئے پرانے واقعات اور حالات کو لکھ کر محفوظ رکھتے ہیں، تا کہ آنے والی نسلیں ان کو پڑھ کر جان لیں اور سمجھ لیں کہ گزرے ہوئے وقت میں اس زمین پر کہاں.....کب....کیا ہوا تھا۔ پہلے تو ہم صرف بادشاہوں کے نام....اور انہوں نے جیتے ہوئے قلعوں کی تعداد، مارے گئے سپاہیوں کی گنتی۔ اور انہوں نے لڑی ہوئی لڑائیوں کی داستانیں ہی لکھتے تھے، مگر اب وقت بدل گیا ہے۔ راجا اور بادشاہ ختم ہو گئے، ان کے قلعے اور گڑھ تباہ و برباد ہو گئے۔ مگر لڑائیاں اب بھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ فوجیں اب بھی ہیں اور اب ہم انہیں فوجوں کے جیتے ہوئے مورچے اور چھوڑی ہوئی چوکیاں، فتح کی ہوئی زمین اور گنوایا ہوا علاقہ اس کو دیکھ کر اس کی حالت اور اس کی معلومات لکھتے ہیں۔ تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں اور پیدا ہو کر جوان ہونے والی پود اس کو پڑھیں اور اور جانیں کہ کب کیا ہوا تھا۔ کون سا مورچہ کس کے ہاتھ تھا، کتنے جہاز گرے اور کتنے ٹوٹے تھے۔ کتنے ٹینک آگے بڑھے اور کتنے پیچھے ہٹے کتنے بم گرائے گئے مزائیل برسائے گئے گاؤں تباہ ہوئے، پل اڑائے گئے۔ ریلیں بارودی سرنگوں سے تباہ کی گئیں، ڈائنامیٹ لگا کر عمارتوں کو مسمار کیا گیا اور یہ بہادری کس نے دکھائی یہی سب ہم لکھتے ہیں۔ اور ایسی ہی معلومات جمع کرنے کے لئے میں اس علاقے میں آیا ہوں۔ بارش ہونے کے سبب میری جیپ پھنس گئی اور میں نے تھوڑی دیر پناہ لینے اس جھونپڑی کا رخ کیا مگر تم نے تو سچ مچ مجھے اپنا مہمان بنا لیا۔ میں نے کوٹ کی اندرونی جیب سے دس روپیہ کا نوٹ نکال کر بڑھیا کی طرف بڑھایا، بڑھیا خاموش میرے چہرے کو تکتی رہی۔ میں سمجھا شاید یہ کم ہیں اور بڑھیا اچھے معاوضے کی امید لئے بیٹھی ہے، میں نے دس کا نوٹ جیب میں رکھ کر جیب سے سو روپے کا نوٹ آگے بڑھایا اور اب کی بار بڑھیا بدک کر پیچھے ہٹی مانو اسے ڈنک لگا ہو.........

وہ چلا کر بولی......بابو....تم جو کچھ ہو سو اپنی جگہ ہو......مگر یہ نوٹ اپنی جیب میں رکھ لو.......میرا گھر شہر کا ہوٹل نہیں........جو کھا کر پیسے ادا کر رہے ہو، اسے اپنی جیب ہی میں رکھو۔ اور میں شرمندہ ہو کر کھسیا کر نوٹ جیب میں رکھ لیا اور زیادہ کچھ پوچھنا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

بارش بدستور ہو رہی تھی اور میں آج کا دن یونہی ضائع ہوتا دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا اور بارش کو کوس رہا تھا۔ مگر بڑھیا کچھ اور ہی خیالوں میں گم تھی اس نے مجھے ایک تکیہ دیا اور میں وہیں چٹائی پر لمبا ہو گیا اور بڑھیا سے پوچھا، کیا تم بھی ایسا کوئی واقعہ بتا سکتی ہو جسے میں کتاب میں لکھوں۔ بڑھیا چونک کر میری طرف دیکھنے لگی پھر خود ہی بولی..........کتاب میں لکھنے قابل ہے بھی یا نہیں یہ تو میں کہہ نہیں سکتی، اس کا فیصلہ تم کرنا......مگر ایسا ہی ایک واقعہ ہے........جو میری اپنی زندگی کا ہے.....میرا اپنا ہے......میرے جگر کا ہے۔

میں سنبھل کر بیٹھ گیا تکیہ گود میں رکھ کر دونوں کہنیاں اس پر ٹکا کر اپنا چہرا اپنی ہتھیلیوں پر رکھ کر ہمہ تن گوش ہو کر بڑھیا کو تکنے لگا۔ بڑھیا نے میری طرف دیکھا پھر کھنکار کر گلا صاف کیا، اور وہ اس طرح کہانی شروع کی۔

ابھی کل ہی کی بات ہے.....شاید چار سال ہوئے ہوں یا پانچ سات سال بیتے ہوں.......مگر مجھے تو وہ کل ہی کی لگتی ہے جب آسمان پر جہاز اڑتے تھے۔ چیل کوؤں کی طرح........زمین پر آگ اگلتی توپیں، بندوقیں اور نہ جانے کیا کیا آگ برسا رہی تھیں۔ زندگی سستی ہو گئی تھی، لوگ سر چھپانے اور اپنی جان بچانے کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے مگر موت انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نوالہ بنا رہی تھی۔ مرنے والے کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کوئی ان کی تلاش میں ہے۔ بالکل اس کیڑے کی طرح جو دیوار پر رینگ رہا ہو اور چھپکلی اس کی تاک میں ہے۔ بڑھیا نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور میں نے پلٹ کر دیکھا اسی لمحے چھپکلی نے دوڑ کر اس کیڑے کو نگل لیا۔ بالکل اسی طرح موت اسے دبوچ کر نگل لیتی ہے۔ میں اپنی بیٹی کے ساتھ برسوں سے یہیں رہتی تھی.......مگر اب میری بیٹی نہیں ہے......اور میں اکیلی ہوں۔

۱۹۴۷ء کے بٹوارے سے پہلے ہم لوگ لاہور میں رہتے تھے ہمارے مکان کے قریب گل شیر خاں کا مکان تھا۔ گل شیر خاں کا ایک لڑکا تھا اسلم، میری بیٹی رکمنی سے کوئی چھ سال بڑا۔ رکمنی کی پیدائش پر گل شیر خاں کے گھر والوں نے بڑی دھوم سے مٹھائی بانٹی اور ایسی خوشیاں منائی کہ میں اپنوں کو بھول گئی۔ اسلم کو تو ایک طرح کھلونا مل گیا اور ہر وقت وہ ہمارے ہی گھر میں رہتا۔ کبھی کبھی رکمنی کو گود میں لے کر گھما لاتا۔ دن بھر طرح طرح کے کھیل کھیلتا، وہ اپنے گھر یا تو سونے یا پھر کھانے کو چلا جاتا باقی سارا وقت وہ ہمارے ہی گھر میں رہتا۔ رکمنی بڑی ہوئی تو اسے بھیا کہنے لگی اور وہ اس کا اسلم بھیا ہو گیا۔ ہر سال راکھی کے تیوہار پر رکمنی اسلم کو راکھی باندھتی اسلم اسے تحفہ دیتا رمضان میں ہم لوگ بھی اٹھ کر سحری کے وقت سے ان کا ساتھ دیتے۔ اور عید کے دن تو پوچھو مت..........رکمنی کے لئے اسلم کی امی خاص طور سے جوڑا سلواتی اور پہناتی، پھر خود ہی بلائیں لے کر اس کی نظر اتارتی۔ انہوں نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی رکمنی کے پتا خان صاحب سے کہتے کہ کیوں نہ ہم اپنے بچوں کو بدل لیں۔ تم رکمنی کو لے کر اس کے باپ بن جاؤ اور میں اسلم کو لے کر اس کا باپ بن جاتا ہوں اور پھر دیر تک قہقہے گونجتے۔

ایک سال رکمنی نے راکھی باندھتے ہوئے پوچھا........اسلم بھیا، راکھی کا مطلب جانتے ہو؟ اسلم بولا! کیوں نہیں، بہن کی رکشا ہی کرنا.......؟ اور تم جانتی ہو کہ ہمایوں نے رانی کرناوتی کی راکھی کی عزت کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ اگر وقت آیا تو میں بھی وہی کروں گا۔

(بقیہ صفحہ 30 پر)

عبدالسلام کوثر
Junihatri.Rajnandgaon-491441
(C,G) Mob-9300212960

ایک غزل

بارہا ملنا ملانا، روٹھ جانا یاد ہے
''ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے''

اپنی گلیوں سے کبھی مجھ کو گزرتا دیکھ کر
وہ ترا چلمن اٹھا کر مسکرانا یاد ہے

مجھ کو تنہا دیکھ کر فرطِ مسرت سے ترا
دفعتاً بانہوں میں آ کر جھول جانا یاد ہے

چومنا پلکوں کو تیری، گیسوؤں سے کھیلنا
ہاں مجھے دل کی لگی کا وہ زمانہ یاد ہے

وصل کی شب دیکھ کر مجھ کو وہ شرمانا ترا
اور ہاتھوں میں ترا چہرہ چھپانا یاد ہے

بال چاندی ہوگئے ہونٹوں کی شادابی گئی
ہم کو لیکن وہ جوانی کا زمانہ یاد ہے

آئینے کے سامنے گھنٹوں کھڑا رہنا ترا
اپنے بالوں کو سلیقے سے سجانا یاد ہے

دوستی کا دم جو بھرتے تھے پرائے ہوگئے
تنگ دستی کا ہمیں وہ بھی زمانہ یاد ہے

مال و زر تو دھوپ چھاؤں ہے تکبر کس لیے
کیا سکندر کا تمہیں دنیا سے جانا یاد ہے

فکرِ دنیا تھی نہ کوثرؔ اور کوئی الجھن مجھے
اپنے بچپن کا سنہرا وہ زمانہ یاد ہے

ایک ہندی نظم

شاعر: شاعر لکشمی کانت مکل　　مترجم: سراج فاروقی (پنویل)

لکشمی کانت مکل صاحب ہندی کے معروف کوی ہیں۔ وہ ہندی ادب میں ''کسان کوی'' کے بطور معروف ہیں۔ اس لیے کہ وہ کسان، گاؤں، کھیتی باڑی، گاؤں کے مسائل اور رسم و رواج کو اپنی نظم کا موضوع بناتے ہیں۔ ان کی ایک نظم کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

سراج فاروقی

اب بھی لوٹتا ہوں پرانے شہر کی اس گلی میں
یادوں کی دھند سے نکلتی ہے وہ ملاقات
جب مارچ کی ایک بھینی صبح میں ملی تھیں تم
تمہاری مسکراہٹ بھر رہی تھی میرا خالی پن
تمہاری آنکھیں تلاش کر رہی تھیں
میرے چہرے میں بسنت کے پھول
تمہارے لرزتے ہونٹوں سے نکل رہے تھے شیریں بول
جن کی سرگم سے کھنچتا جا رہا تھا
میں تمہاری طرف
تمہیں دیکھا تو
اس دن ہاسٹل کی کھڑکی سے
گل مہر کے پیچھے والی چھت پر
چہک رہی تھیں
جیسے چہک رہی ہو باغ میں ننھی چڑیا
تھرک رہا تھا ''ترکل'' کے پتوں سا
میرا تن من

☆☆☆

افسانہ

صادق علی انصاری
Nasheman.198-A,
ShaikhSarai.Sitapur-251001

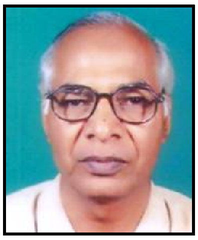

حجاب

موسمِ گرما چل رہا ہے۔ جس سے بچنے کے لیے باہری کمرے میں ایک عدد اسٹول اور دو کرسیاں نکال کر بیٹھ جاتا ہوں۔ تازہ ہوا سے تھوڑا بہت سکون مل جاتا ہے۔ اگر کوئی ملنے آ گیا تو اس کے لیے یہ دوسری کرسی موجود ہوتی ہے۔

مکان کے سامنے والی گلی کچھ دور آگے جا کر مارکٹ جانے والی سڑک سے مل جاتی ہے۔ اس لیے گلی میں اکثر چہل پہل رہتی ہے۔ مغرب کے کچھ دیر بعد ایک لڑکی روزانہ اس راہ سے گزرتی ہے۔ کندھے پر چھوٹا سا بیگ اور ہاتھ میں جھولا ہوتا ہے۔ چوڑی دار پاجامہ اور لمبی جمپر پہنے ہوتی ہے۔ جس وقت وہ گزرتی ہے گلی کے آخری موڑ تک میں اسے دیکھا کرتا ہوں۔ کبھی کبھار وہ بھی مجھ پر ایک نظر ڈال لیتی ہے۔ حجاب کبھی بھی اس کے چہرے پر نظر نہیں آیا۔ اپنے چہرے کو ایک بڑے رومال سے ڈھانک کر باقی حصہ پیٹھ پر لٹکا لیتی ہے۔ اس کے لمبے لمبے بال پیچھے کی جانب ہوا میں لہراتے نظر آتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر احمد راہی کا یہ شعر ذہن میں ابھر آتا ہے:

میں سوچتا ہوں زمانے کا حال کیا ہوگا
اگر یہ بکھری ہوئی زلف تو نے سلجھائی

اس کے سراپے سے لگتا تھا عمر کوئی ۲۸/ یا ۳۰/سال ہوگی۔ یہ بھی سوچتا تھا کہ شاید متوسط گھرانے کی ہے اور مالی دشواریوں کے باعث ابھی تک اس کی شادی نہیں ہو پائی ہے۔ کبھی یہ بھی سوچتا کہ کہیں پرائیویٹ جاب کر رہی ہے۔ والدین کے سایے سے محروم ہے اور مجبور ہو کر ضرورتاً باہر نکلتی ہے۔ اس طرح اسے الٹی سیدھی نگاہوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہوگا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ لڑکی کئی دنوں تک نظر نہیں آئی۔ میں سوچنے لگا کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ ایک دن میں اپنا بلڈ گروپ چیک کروانے کی خاطر ضلع ہسپتال گیا ہوا تھا۔ وہاں وہی لڑکی لمبی قطار میں کھڑی نظر آئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے سلام کیا اور بتایا کہ اس کے والد بیمار ہیں اور ڈاکٹر نے ان کا خون ٹیسٹ کرانے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے یہاں کھڑی ہوں۔ وہ بہت پریشان بھی لگ رہی تھی۔ میں نے بلڈ سیمپل جمع کرنے میں اس کی مدد کی او پھر اسے تسلی دے کر اپنے آفیس آ گیا۔

شام کو پسینے میں شرابور دفتر سے لوٹا تو تولیہ سنبھالتا ہوا پہلے باتھ روم میں گیا۔ غسل کرنے کے بعد تھوڑی راحت محسوس ہوئی۔ جب تک چائے آتی میں دیوان پر دراز ہو گیا اور اس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا سراپا کچھ عجیب سا تھا۔ پیچھے کی طرف سے وہ جاذب نظر لگتی تھی مگر سامنے سے بالکل سپاٹ شخصیت کی مالک تھی۔ یہ سب اس کے حجاب کا کمال تھا۔ اسی اثنا میں بیگم چائے لے کر آ گئیں چائے کی چسکیاں لیتے وقت میں نے بیگم سے اس لڑکی کا تذکرہ کیا تو کہنے لگیں کہ شاید وہ اپنے والد کی اکلوتی اولاد ہے، اس لیے رومال کو حجاب بنا کر مجبوراً باہر نکلی ہوگی۔

☆☆☆

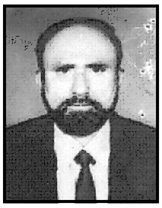

ڈاکٹر قمر الزماں
SBI MTPS,DVC Colony
Bankura-722183(W.B)

ہزل

کبھی موقع ملے تم کو چھلکتے جام کو دیکھو
نشیلی صبح کو دیکھو، رنگیلی شام کو دیکھو

اسے کیا دیکھتے ہو "پکچروں" میں اور خیالوں میں
سرِ بازار جاتی ہے سبک اندام کو دیکھو

ہنر مندی پہ فخر و ناز ہے، پورا بھروسا ہے
وہ بازی گر جو کہتا ہے، ہمارے کام کو دیکھو

جو پھل کھانے کی خواہش ہو تو پیسہ دیکھتے کیوں ہو؟
چلے اک باغ میں جاؤ لٹکتے آم کو دیکھو

بھٹکتے کیوں ہو قمرؔ در بدر گلیوں میں کوچوں میں
حجامت گر کرانی ہو کسی حجّام کو دیکھو

منظور وقار گلبرگہ

آٹھ منی افسانچے

☆ سراغ

میں دنیا کی بھیڑ بھاڑ میں ایسا گم ہوگیا تھا کہ برسوں کی تلاش بسیار کے بعد بھی مجھے میرا سراغ لگنا ناممکن نظر آرہا تھا لوگوں نے جب مجھے قبر میں لٹا دیا تو خوشی سے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی کیونکہ یہاں مجھے میرے وجود کا یقین ہونے لگا ہے!!!

☆ فاصلے

وہ دونوں ایک ہی بستر پر ایک ہی چادر میں ایک دوسرے سے لپٹ کر سور ہے تھے اس کے باوجود وہ ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے کیونکہ پتی کسی اور عورت کے خیالوں میں گم تھا پتنی کسی اور مرد کے خیالوں میں گم!!!

☆ عادت

جب میں مرگیا تو مجھے مرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔۔کیونکہ مجھے مرمر کر جینے کی عادت جو پڑ گئی ہے!!!

☆ شروعات

جناب ہمارا شہر بدمعاش خودغرض اور جھوٹے لوگوں سے بھرا ہوا ہے!

شہر کے لوگوں کو کیوں کوس رہے ہو بھائی ان برائیوں کی شروعات تو مجھ سے ہوئی ہے!!!

☆ اصلی لذت

ذرا سی غلطی کی انہیں ایسی سزا ملی کہ جنت سے زمین پر پھینک دیے گئے چند برسوں بعد انہیں پتہ چلا زمین پر دکھوں کے بعد خوشی مصیبتوں کے بعد راحت کی جو لذت نصیب ہو رہی ہے وہ دونوں اس طرح کی لذتوں سے محروم تھے لہٰذا وہ جنت کو بھول کر خوشی خوشی زمین پر زندگی گزارنے لگے!!!

☆ شکنجہ

ایک دن میں نے روح سے پوچھا "تم مجھے نظر کیوں نہیں آتیں"؟

روح بولی "میرے سرکار اگر میں تمہیں نظر آتی تو تم مجھے ہمیشہ کے لئے اپنی بانہوں میں ایسا کس کر جکڑ لیتے کہ مجھے آزاد ہونے کے لیے تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانا پڑتا!!!

☆ بوجھ

صاحب اپنا بوجھ مجھے دے دو میں اسٹیشن سے باہر لے جاؤں گا!

بھائی! یہ بوجھ تو عارضی ہے تم چند فرلانگ میرا بوجھ اُٹھا کر میری کار میں رکھ دو گے جبکہ ہم لوگ زندگی بھر خود اپنا بوجھ اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہیں اگر ایسا نہ کریں تو زمین ہم انسانوں کے بوجھ سے کبھی کی پھٹ گئی ہوتی!!!

☆ تمنا

مرنے والے کی آنکھیں بند کرتے ہیں کیوں!؟

کیونکہ!! مرنے کے بعد وہ دوبارہ اُن چیزوں کو دیکھنے کی کوشش نہ کرے جن چہروں کو دیکھنے کی تمنا کرتے کرتے مر گیا تھا!!! ☆☆☆☆

اشفاق برادر

H.No-132/15, Babupurwa

Kanpur-208083(U.P)

ایک نثری نظم

مسکراتا ہوا اک لمحہ
مجھ سے مخاطب ہوا
اب رخصت ہو رہا ہوں
یاد رکھ پاؤ گے
میرا سراپا جاہ وجلال
کیف وسرور
میرے بنا نہیں
دوسرے کا تصور
میں جا رہا ہوں
یاد رکھنا

امان ذخیروی

NaushadManzil.Vill:MahaddinNagar
Via: Sikandra.
Dist:LakhmiSarai-811315(Bihar)
Mob-8002260577

توشیحی نظم

درشانِ سید نفیس دسنوی بحوالہ شعری مجموعہ ''افکارِ نو بہ نو''

س۔ سب سے جدا جدا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
اک ضوفشاں دیا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
ی۔ یارانِ فکر و فن نے بھی ثابت یہی کیا
منزل کا راستہ ہے یہ افکارِ نو بہ نو
د۔ دادِ سخن نہ دوں اسے پڑھ کر ہے کیا مجال
بلبل کی وہ نوا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
ن۔ نورانی استعارے تو تشبیہہ بے مثال
اک شہرِ دلکشا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
ف۔ فن اور فکر اس کی ہے غزلوں میں آشکار
خوش طرز و خوش ادا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
ی۔ یہ دولتِ سخن ہے متاعِ جہاں نہیں
ہر طورد لربا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
س۔ سیراب جس کو پڑھ کے ہوئے عقل و دل نگاہ
وہ نور وہ ضیا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
د۔ دیکھے جو کوئی خواب تو اس سے کرے رجوع
تعبیر آشنا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
س۔ ساگر ہو جیسے فہم و فراست کا بے کراں
لعل و گہر رسا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
ن۔ ''نورِ حرا'' نے بخش دیے ''حرفِ جاوداں''
اس قدر جاں فزا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
و۔ وہ ''لفظ لفظ آئینہ'' بھی کم نہیں حسیں
اس سے مگر سوا ہے یہ افکارِ نو بہ نو
ی۔ یارب اسے تو بخش دے حرفِ قبولیت
تیری ہی تو عطا ہے یہ افکارِ نو بہ نو

ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ

Depart.Of Urdu.+2,ZilaSchool
Hazaribagh-825301(Jharkhand)

توشیحی نظم

درشانِ خلیق الزماں نصرتؔ

خ۔ خدامِ ادب سچے ہیں دنیا کی نظر میں
ل۔ لفظوں کو بھی وہ زیر و زبر کرنے لگا ہے
ی۔ یہ سچ ہے کہ تحقیق و تدقیق میں ہیں ماہر
ق۔ قاموس شاعری کو بھی سر کرنے لگا ہے
الف۔ اس عہد میں اشعار کے منبع کی تلاشی
ل۔ لاریب وہ برسوں سے سفر کرنے لگا ہے
ز۔ زاہد بھی ہے، عابد بھی، وہ ناقد بھی ہے لوگو!
ز۔ زہراب میں شعروں کو گہر کرنے لگا ہے
م۔ ماہر ہے وہ تحقیق میں یہ شعر ہے اس کا
الف۔ اس بات کی وہ سب کو خبر کرنے لگا ہے
ں۔ نوں غنہ حرف لے کے اس توشیحی نظم کو
ن۔ نصرت کا سخن دل پہ اثر کرنے لگا ہے
ص۔ صد شکر کہ وہ دل میں بھی گھر کرنے لگا ہے
ر۔ راسخ ہے عقیدہ ذرا خوشدلؔ کی سنیں آپ
ت۔ تاحدِ نکہہ شعری سفر کرنے لگا ہے

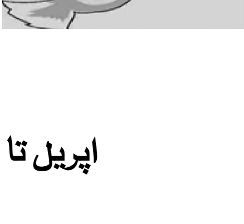

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام: سوئے حرا (نعتیہ مجموعہ)
شاعر کا نام: فیض احمد شعلہ   مبصر: سعید رحمانی

فیض احمد شعلہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ان کا تعلق شہرِ نشاط کولکاتا کے زرخیز خطے سے ہے۔گزشتہ نصف صدی سے ادبی سفر جاری ہے۔ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ ''صدائے دل'' ۲۰۰۹ء میں اور علمِ عروض پر مبنی دوسرا مجموعہ بعنوان ''مبادیاتِ عروض'' منصۂ شہود پر آکر اہلِ ادب سے پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ان کے کلام اور مضامین اخبارات و رسائل میں بھی تواتر سے شائع ہو رہے ہیں جس کی بنا پر ادبی حلقوں میں انہیں منفرد شناخت حاصل ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ ''سوئے حرا'' نعتوں پر مشتمل ہے جو گذشتہ سال ۲۰۲۲ء میں منظر عام پر آکر اہلِ ادب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔اس کی ابتدا حسب روایت حمد و نعت' مناجات اور مناقب و درود و سلام سے ہوئی ہے۔اس کے بعد نعوت پاک اور آخر میں نعتیہ قطعات شامل ہیں۔مجموعے میں شامل بیشتر نعوت ان طرحوں پر کہی گئی ہیں جو واٹس ایپ گروپ میں دی گئی تھیں۔

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اصنافِ سخن میں صنفِ نعت کو اہم مقام حاصل ہے۔یہ ایک ایسی صنف ہے جس پر طبع آزمائی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شاعر دینی معلومات، شریعت پر گہری نظر اور قرآنی علم سے متصف ہو۔اس کے بغیر نعتیہ شاعری کا تصور ممکن نہیں۔کچھ لوگ نعت گوئی کو سہل سمجھتے ہیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک مشکل فن ہے۔ذرا سی چوک پر قدم کے لڑکھڑانے کا امکان رہتا ہے۔اسی لئے عرفی نے ''نعت کہنے کو تلوار کی دھار پر قدم رکھنے کے مماثل قرار دیا ہے'' وہ کہتے ہیں۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است' نہ صحرا۔آہستہ کہ بر دمِ تیغ است قدم مرا

مذکورہ عوامل کے تناظر میں جب شعلہ صاحب کی نعتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ انھوں نے نعت کہتے وقت اس بات کا خیال رکھا ہے کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار باش

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شعلہ صاحب نے نعت کہتے وقت الوہیت و رسالت میں حدِ فاصل برقرار رکھا ہے۔اس ضمن میں وہ خود کہتے ہیں۔

ثنا کے شعروں میں مت عنصر غلط رکھنا۔خدا و بندے کا ہر فرق رو برو رکھنا

زیرِ نظر مجموعے میں نعتیہ شاعری کے مختلف گوشے روشن نظر آتے ہیں۔اس میں معراج النبی کا ذکر ہے تو سیرت النبی کا حوالہ بھی ہے اور سب سے بڑھ کر عشقِ رسول کی سرشارانہ کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔معراج کے حوالے سے یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

نور سے نور کی آج ملاقات کی شب۔خوش ہیں افلاک نشیں' عرشِ علیٰ کیف میں ہے

اور حبِ رسول کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں:

میرے یہ نین ہیں محرومِ زیارت اب تک۔کاش وہ ماہِ مبیں خواب میں آیا ہوتا

خیر الوریٰ کے ذکر سے ہے قلب مطمئن۔صلِّ علیٰ کی رٹ سے زباں مشک بار ہے

درود نذر کریں صبح و شام آقا کو۔سکونِ دل ہے اسی میں' اسی میں راحت ہے

جس کے دل میں عشقِ رسول موجزن ہوتا ہے اس کے لیے شہرِ نبی بھی اسی قدر محبوب اور عزیز ہے۔چنانچہ شہرِ نبی کی تعریف و تکریم میں انھوں نے بہت سارے اشعار کہے ہیں۔یہاں چند مثالیں پیش ہیں:

نہ پوچھو مجھ سے مدینے کے حسن کا عالم۔مری نظر میں وہ شعلہ نشانِ جنت ہے

وقت کا ہر اک مسیحا ہو گیا ناکام جب۔خاکِ طیبہ میں مداوا ہو گیا بیمار کا

اللہ شرف مجھ کو کچھ ایسا عطا کر دے۔مکے میں گزاروں دن اور رات مدینے میں

یہ کہنے میں باک نہیں کہ فیض احمد شعلہ صاحب ایک سچے عاشقِ رسولؐ ہیں اور اس میں شک نہیں کہ دربارِ رسالت مآب میں گلہائے عقیدت کا نذرانہ پیش کر کے اپنے لیے آخرت کا توشہ فراہم کر لیا ہے۔انہیں کی اس شعر پر اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا

نیکیاں کچھ بھی نہ تھیں، لکھ کر مگر نعتِ نبیؐ۔مغفرت کا حشر میں شعلہ نے ساماں کر لیا

۹۶ صفحات کو محیط اس مجموعے کی قیمت سو روپے اور ملنے کا پتہ ہے۔

فیض احمد شعلہ، یو.کو. بینک بلڈنگ۔ ۷ گراہم روڈ، کمرہٹی۔کولکاتا ۷۰۰۰۵۸ (مغربی بنگال

کتاب کا نام: عکسِ بصیرت (مضامین)
مصنف کا نام: مطیع اللہ نازش   مبصر: محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

مولانا مطیع اللہ نازش اپنے اشہب قلم سے ایک بیدار ذہن عصری افکار کی علامت اور اڈیشا میں اردو تدریس کے فروغ میں سرکاری سطح پر نہایت فعال۔

(ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری)

موصوف کی تحریروں میں وہ کیفیت ہے کہ سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے۔ (پروفیسر کرامت علی کرامت)

I hope this book in Urdu will create a new taste and provide fresh incentive for the general readers Of Urdu Language and Literature

پروفیسر قمر الدین خاں۔سابق وائس چانسلر۔کٹک۔8

''عکسِ بصیرت'' کے مصنف مولانا مطیع اللہ نازش ایک فعال' بذلہ سنج اور اڑیسہ میں اردو کے ارتقاء کے حامل معروف شخصیت ہیں۔

(ڈاکٹر لیاقت علی، سابق سکریٹری اڑیسہ اردو اکاڈمی)

فقد اراد مصنف هٰذاالكتاب السيد مولانا محمد مطيع الله نازشؔ الذى من رجال الدين والشاعرالمعروف والخطيب الماہر والكتاب البارعفى اللغة الاردويه فى ولاية اريسه۔

(پروفیسر کفیل احمد القاسمی)

مولانا محمد مطیع اللہ نازشؔ صاحب کی زندگی کئی خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔.....
یتیم اور نادار بچوں کی تعلیم کے لیے ''مکرم العلوم حسینیہ'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔ اس کی نگرانی بھی کرتے ہیں اور وہاں کے طلبہ کو جزوقتی درس بھی دیتے ہیں۔

(سعید رحمانی)

مطیع اللہ نازش کی کتاب ''عکسِ بصیرت'' اردو کے دس بڑوں پر بڑپن کے متعین پیمانے پر پرکھ کر لکھی گئی ہے۔ بڑی محنت و مشق کے سفر کے ساتھ سر سید احمد خاں، مالک رام، صالحہ عابد حسین، فکر تونسوی، قرۃ العین حیدر، امجد نجمی، کرامت علی کرامت، محبوب محشر اور سعید رحمانی ایڈیٹر ادبی محاذ و اخبار اڑیسہ وغیرہ اور مزید آخر میں دسویں سعی میں اڑیسہ کی کچھ اہم شخصیات جیسے لالہ ہردے رام جودت، عبدالمجید بھویاں، پنڈت لکشمی نارائن مشرا، تلوک ناتھ، رشمی کانت راہی، منور مابسوال، حیدر نایاب، اجمل نقش بندی، سید شکیل دسنوی، سید اولاد رسول قدسی وغیرہم پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ پچاسوں نام ہیں جنہیں تبصرے کی حریم میں سمیٹنا ناممکن ہے۔ مزید برآں اڑیسہ میں اردو کی تعلیم و تدریس پر سیر حاصل مواد پیش کیا گیا ہے۔ تحقیقی و ادبی خدمات کو قدرے اختصار مگر خوب خوب بیان کیا گیا ہے۔

اک آئینہ مثال ہے ان کی حیات بھی۔ لفظوں میں جن کے عکس بصیرت کا عکس ہے

کتاب کے آخر میں ایک نثری نظم ہے۔ اچھی ہے اور اور قابل توجہ و اعتنا ٔ می :

میرا بھارت جو رشک جنت تھا
ایسا لگتا ہے اب حقیقت میں
یہ کوئی خوفناک جنگل ہے

''ایں سعادت بزور بازو نیست'' کے مصداق یہ وقیع کتاب کیا ہے ''کوزے میں سمندر اور مٹھی میں ایشیا'' گویا آدھی دنیا ہے۔ مردوں کے شانہ بشانہ صالحہ عابد حسین اور قرۃ العین حیدر بھی ہیں۔ کاش سلیم الطبع و پاک طینت ابنِ صفی، حالؔی، اقبال ہوتے اور ایک دو خواتین ادیبہ اور بھی۔ نازشؔ؟ کے لئے نیک تمنائیں۔ اللہ ان سے مزید کام لے۔ وہ مطیع اللہ ہیں تو مطیع اللہ ان کی حیات کا حصہ بنی رہے.......آمین۔ ۱۹۲ر صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے 150 روپے جسے مصنف کے درجِ ذیل پتے سے حاصل کر سکتے ہیں:۔

AzadMemorialPublication.D/203,Sector-6.MarkatNagar
Cuttack-75314(Odisha)

کتاب کا نام: اقبال کے فکر و فن کا گراف (مضامین)

مصنف کا نام۔ ڈاکٹر رؤف خیر　　مبصر: محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

علامہ اقبال پر بہت کچھ لکھا گیا، لکھا جا رہا ہے اور لکھا جائے گا۔ اقبال کے مداح نہ کل کم تھے نہ آج ہیں نہ کل کم ہوں گے۔ ڈاکٹر رؤف خیر مداحِ اقبال ہیں۔ ان کی کتاب ''اقبال کے فکر و فن کا گراف'' اقبال شناسی سے بدرجہ اتم مملو ہے۔ اقبال اپنی حیات میں کن مناعم سے فیضیاب تھے اور قباحت سے دوچار تھے۔ رؤف خیر نے شرح و بسط سے اپنی کتاب میں ان امور پر خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ بست و کشاد خوب خوب ہے اور قاری کو پوری کتاب ایک ہی جست میں پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

حیدر آباد دکن کو اقبال سے بڑا انس تھا۔ بہادر یار جنگ اپنے ''بیت الامت'' میں ہر جُمعَہ شام چار بجے درسِ اقبال کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ گو کہ اقبال کبھی نظام سلطنت میں شمولیت اختیار نہ کر سکے کیونکہ انگریز اس کے مخالف تھے۔ مہاراجا کشن پرساد شاؔد اور اکبر حیدری کی کوششیں بار آور نہ ہوئیں۔ اقبال حیدر آباد آتے رہے اور حیدر آباد انہیں بلاتا رہا۔ اقبال کے فکر و فن کو سمیٹنے میں رؤف خیر نے بڑی عرق ریزی سے خود کو گزارا ہے۔

کتاب کی فہرست نیم طویل ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت حسب موضوع بہتر انداز میں مثبت و منفی باتیں لکھی گئی ہیں، جو دلیل، ثقہ اور عدالت پر مبنی ہیں اور کیوں نہ ہو ایسا ؟ رؤف خیر ہیں اردو ادب کے ہیرے۔

میں ہوں رؤف خیر اسی سرزمین سے۔ شہرہ تھا مجھ سے پہلے جہاں کوہِ نور کا

جناب موصوف نے اتنی تو محنت کی ہی ہے کہ حیدر آباد کا علمی منظر نامہ مزید روشن ہوا۔ دو در جن کے قریب کتب کے شاہ ہیں۔ تنقید و تحقیق انھیں (گویا) سلام کہتی ہے۔ محترم پر ایک خاتون (بیٹی) کو ''رؤف خیر شخصیت و فن'' پر ایم فل کی ڈگری ملی۔ یہ ہیں صبیحہ سلطانہ جنھوں نے انھیں ہی موضوع بنا کر ایم فل کیا ہے۔

''اہم انکشافات'' کے تحت رؤف خیر نے بتایا کہ اقبال کی سوچ یہ بھی تھی کہ انسان موت کے بعد روحانی خودکشی سے دوچار ہو کر خود کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر سکتا ہے۔ اس طرح یہ سوچ اقبال جنت کوئی مستقل عشرت کدہ نہیں۔ اس طرح اقبال کے نزدیک جنت اور دوزخ مقامات (ہی) نہیں۔

عظیم تبصرہ تم اس پہ کوئی مت کرنا۔ نہ جانے اور بھی اقبال کہہ گئے کیا کیا

اقبال بہت حساس طبیعت فرد تھے۔ ہر آن نیا سوچتے رہتے تھے۔ لوگوں کی بھلائی دامن گیر رہتی تھی۔ بالیقیں وہ مرد مومن تھے۔ جان سے بہت زیادہ دین سے لگاؤ تھا۔ وہ اورنگ زیب اور ٹیپو کے چاہنے والے تھے۔ اسی طرح اقبال سکندر کے بھی مداح تھے۔

''اقبال کے تضادات'' عنوان کے تحت رؤف خیر نے بڑے کام کی گھی پوڑیاں پیش کی ہیں۔ انہوں نے نیا شوالہ، ترانۂ ہندی اور ترانہ ملی بھی لکھا۔ چاہے ان چاہے امراء کے قصیدے بھی لکھے۔ جج ہونے کی تمنا بھی کی اور کوششیں ناکام ہوئیں۔ تصوف سے انس بھی ہے اور اقبال صوفیاء کے رویوں سے بددل بھی ہیں۔ یہ ساری گرہیں رؤف خیر نے دلیل کے ساتھ کھولی ہیں۔

کتاب عمدہ، کاغذ عمدہ، مصنف عمدہ ہو تو کون ہے کہ اسے پڑھنے کی صلاح نہ دے۔ 236 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت 300 روپے ہے۔

I strongly recommend this book on Iqbal for all to read and re-read.☆☆☆

کتاب کا نام: حرفِ نور (نعتیہ مجموعہ)
شاعر: شارق عدیلؔ مبصر: محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

اردو دنیا کے عصری نظر نامے اور منظر نامے پر چمکتے دمکتے شارق عدیل کو کون نہیں جانتا۔ وہ ایک متین اور ملنسار انسان ہیں۔ اپنوں سے رابطہ بنائے رکھنا اور گاہے بہ گاہے یاد کرنا، با قاعدہ خیریت لینا ان کا امتیاز ہے۔ نئے جاننے والے ہوں کہ پرانے سبھی سے یکساں نیک کارستانی رکھتے ہیں۔ مزاجاً خوش وخرم رہنے والی شخصیت کی نعت پر مبنی کتاب ''حرفِ نور'' زیرِ نمرِ عمیق ہے۔ کتاب منسوب ہے سید عزیز الحسن، سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف، فتح پور (ہسوہ) یوپی کے نام۔ ان کے چند اشعار بھی آغاز میں نعت کے طور پر درج ہیں۔ پھر یہ کتاب بہت سوں کی نذر بھی ہے۔ سبھی تقریباً نوابی آستانوی ہیں۔

دونوں حمد و نعت اپنے میں بہت اہم ہیں۔ اردو والوں نے حمد سے ایسی دوری رکھی ہے کہ وہ گویا عدم کے پاس اپنا وجود منوا رہی ہے۔ نعت کے تعلق سے شعرا نے کچھ کام کیا۔ سارے تاریخی پارے پڑھیے اردو تاریخ کے۔ اکثر کی ابتدا غزل سے ہے۔ حمد اور نعت کا ذکر ہی نہیں۔ شارق صاحب کو اس کا احساس ہے اور اسی لیے وہ عدیل صاحب کے طور پر ''حرفِ شارق'' میں بہت کچھ کہتے ہیں، گو چند الفاظ میں ہی سہی۔ سب میں فائق وفوق رنگ ہیں سید محمد نور الحسن نورؔ نوابی عزیزی۔ ان کی تخلیق وثنا کی نکہتیں غالبؔ کی زمینوں میں کہی گئی کاوشوں کا نمونہ ہیں۔ نورؔ نے حضرت میر تقی میرؔ کی زمینوں میں بھی نعتیں کہی ہیں۔

''پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے''

یہ مصرع میرؔ کی مشکل زمینی غزل کا ہے، مگر نورؔ نے اس پر شاندار نعت کہی ہے۔

کس کو بنائے اپنا مکاں وہ۔ جایئے تو آخر جایئے کہاں
دل تو مرا اے میرے آقا شہر تمہارا جانے ہے

سید مجیب الحسن مجیبؔ، سید عزیز الحسن نوابی اور نورؔ تینوں بھائی ہیں۔ پایے کے حمد و نعت گو۔ شارق عدیل نے ان کے کوائف اور کلام سے ''حرفِ نور'' کو زینت بخشی ہے۔ پاکستانی شاعرہ شمائل صدف بھی کتاب میں موجود ہیں۔ وہ بھی نوابیہ مریدہ ہیں۔

نعتِ خیر الانام لکھنی ہے شاخِ دل آ مرا قلم ہو جا

قاری محمد اخلاق، ڈاکٹر مناظر عاشق، ساغر وارثی، علیم صبا نویدی، ساحر شیوی (ماہیا گر)، فراغ روہوی، سید نفیس دسنوی، ارشد مینا نگری، معراج احمد معراج، کبیر وارثی، اسحاق انور، خود شارق عدیل (کی اپنی نعوت) سے کتاب مزین ہے۔

شارقؔ کو بھی اے خدا دکھلا دے ایک روز۔ طیبہ کے گلزار کی شان نرالی شان

اچھے کاغذ پر وقیع کتاب ''حرفِ نور'' کی قیمت ہے نذرانۂ اردو۔ اس کے خالق کے لیے نیک تمنائیں۔ کتاب نہ صرف قیمتی مواد سے پر ہے بلکہ بہت معلوماتی بھی ہے۔

کتاب کا نام: صدی کی آنکھ (مضامین)
مصنف: ڈاکٹر ظفر سرونجی مبصر: محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

''صدی کی آنکھ'' گوپی چند نارنگ' ڈاکٹر ظفر سرونجی کی کئی کتابوں کے بعد ایک اچھی کتاب ہے۔ انھوں نے اسے نارنگ کی اہلیہ منورما کے نام معنون کیا ہے۔ سیفی سرونجی نے ظفر پر اہم بات کہی ہے....'' وہ شعر بھی نئے انداز سے کہتے ہیں اور نثر بھی منفرد انداز میں لکھتے ہیں۔ حالانکہ زبان لڑکھڑا کر عامیانہ سی ہو جاتی ہے۔ لیکن سچ کہنا جرأت کا کام ہے۔ اسی سچ کے اظہار میں یہ کتاب ایک طالب علم کی طرف سے پروفیسر گوپی چند نارنگ جیسی عظیم ہستی (شخصیت) کے لیے ایک نذرانۂ عقیدت ہے''۔

گوپی چند کے گھر میں میٹھی، نرم اور البیلی زبان سرائیکی بولی جاتی ہے۔ کرشماتی زبان اردو چونکہ زبانوں میں تاج محل سی ہے، اسی لیے نارنگ کے لیے یہ جاذب رہی اور انہوں نے اسے اپنی زبان اور پہچان کا حصہ بنالیا۔

نارنگ ذہین شخص ہیں۔ ظفر سرونجی کو اس کا اعتراف ہے۔ وہ اردو کی اس نادر پھول وادی کو بے کم وکاست کاغذ پر الفاظ کے رنگوں سے سجا سنوار کر قاری کے سامنے لے آتے ہیں۔ ان کا قلم اچھے مبصرین کے اقتباس کو اعترافاً قبول کرتا ہے۔ مثال کے طور پر نصرت ظہیر، قیصر تمکین اور خود نارنگ کے خیالات سے وہ اپنی بات کو وزن دیتے ہیں۔ قیصر تمکین کہتے ہیں ''پروفیسر گوپی چند نارنگ نہ تو مشرق سے بیزار ہیں اور نہ مغرب سے حذر کرتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ وہ آگے بڑھ کر نئے نئے امکانات کا استقبال کرتے ہیں اور ....''

نارنگ کا اردو کے تعلق سے ایک لکھاری کا آغاز افسانہ نگاری سے ہوا۔ پہلا افسانہ ''بلوچستان سماچار'' کوئٹہ شہر کے ایک ہفتہ وار میں شائع ہوا تھا۔ تنقید میں قدم رکھا تو پہلے مضمون کے طور پر نارنگ نے ''لسان العصر اور اکبر الہ آبادی سخن نہوی اور طرفداروں کے درمیان'' لکھا۔ نارنگ نے ''غالب معنی آفرینی، جدلیاتی وضع، شونیتا اور شعریات'' لکھ کر تہلکہ مچا دیا۔ بھاری بھرکم نطق والی کتاب ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں'' ہے۔ غالب پر نارنگ مکھر رہتے ہیں۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا۔ بن گیا رقیق آخر جو تھا راز داں اپنا

ظفر بجا کہتے ہیں کہ ''ڈاکٹر نارنگ ادب میں ایک بہت بڑا ''ادبی بیوٹی پارلر'' چلاتے ہیں۔ یہ نارنگ ہیں جنہوں نے غالب کی اسیری اور جرمانے کی بھی تحقیق کی اور اسے تحقیق سے لکھا۔ غالب ہر نوع میں غالب ہی تھے اور نارنگ کیوں نہ اس تار کو چھیڑیں''۔

بیرونی ممالک میں نارنگ کی اردو تقریروں نے ادب کے ہیرے موتی بکھیرے، اردو کی نئی بستیوں میں وہ گئے اور اپنی چھاپ چھوڑی۔ اردو کے موجودہ رسم الخط کے مداح نارنگ کو کون بھلا سکتا ہے؟ لسانیات کے اس ماہر کا اردو پر بڑا احسان وکرم ہے۔ اور اردو مقروض ہے۔

بہر حال کتاب عمدہ، دیدہ زیب، اچھے ٹائٹل پیپر اور درون کے اچھے کاغذ پر بہت معلوماتی اور لائبریری میں رکھنے لائق ہے۔ ظفر سرونجی کو سلام و دعا۔☆☆☆

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے" پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: "ڈرتے ڈرتے گناہ کرتا ہوں" (شاعر۔ بیخود دہلوی) قوافی: گناہ، تباہ، نباہ وغیرہ ردیف: کرتا ہوں۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۱۵ر مئی ۲۰۲۳ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

عبدالمجید فیضی (سمبلپور۔ اڈیشا)
Mob-9778291038

لب پہ جس لمحہ مرے نام خدا آتا ہے
سر سے طوفانِ بلا پل میں گزر جاتا ہے

خوگرِ رنج والم ہوں مجھے غم بھاتا ہے
"مجھ کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

دل مرقع ہے مرا جلوۂ جاناناں کا
وصلِ جاناں کا مزہ ہجر میں مل جاتا ہے

نکہتِ خلد تمنا سے دل وجاں کو قرار
موسمِ لالہ وگل دل مرا گرماتا ہے

عشوہ پروازی پہ جس کی ہے فدا دل فیضی
اس کا اندازِ تغافل بھی ستم ڈھاتا ہے

عبدالمجید فیضی (سمبلپور۔ اڈیشا)
Mob-9778291038

آنکھوں آنکھوں سے کوئی دل میں چلا آتا ہے
پھر لگاتار تصور میں سدا آتا ہے

بھول جاتے ہیں خدا کو بھی خوش حالی میں
یاد آلام و مصائب میں خدا آتا ہے

میں ستم کش ہوں سہا کرتا ہوں ہر درد والم
"مجھ کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

شادمانی میں سبھی ساتھ ہوا کرتے ہیں
وقت پڑتا ہے تو پھر کون بھلا آتا ہے

ہے حقیقت میں وہی فیضی رفیقِ صادق
وقتِ مشکل جو مدد کرنے چلا آتا ہے

محمد ممتاز شعورؔ (سمبلپو راڈیشا)
Mob-6370768671

زندگی مجھ کو خوشی دینے میں کیا جاتا ہے
غم وآلام سے ہر وقت مرا ناطہ ہے

درودیوار پہ سبزوں کی بہار آئی ہے
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

شکر میں اس کا ادا کرتا ہوں دل سے ہردم
مجھ کو تاریکی میں جو رستہ دکھا جاتا ہے

ایک اسٹیج کے جیسے ہے ہماری دنیا
کوئی جاتا ہے تو پھر کوئی چلا آتا ہے

اپنی بربادی کا کیوں سوگ مناؤں میں شعور
وہ ستم گر ہی سہی مجھ کو وہی بھاتا ہے

عدیل منصوری (بارہ بنکی)

حال دل پوچھنے جب کوئی چلا آتا ہے
پھر تو بیمارِ محبت بھی سنور جاتا ہے

ان کی تسکین کی خاطر ہی مقید رہ کر
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

تم بزرگوں کی شب وروز ہی تکریم کرو
ماں جو کرتی ہے دعا حادثہ ٹل جاتا ہے

آپ بھوکے کو کھلا کر نہ جتائیں احساں
ہر بشر اپنے مقدر کا فقط کھاتا ہے

اوج پر ہوتا ہے اپنا بھی مقدر اے عدیل
ان کا پیغام کوئی جب بھی کبھی آتا ہے

افضل مظفرپوری (بہار)
Mob-9955029167

عالمِ عشق میں محبوب لقب پاتا ہے
آمکھ کے رستے وہ جو دل میں اتر جاتا ہے

ساری خلقت ہی تری ہوگی تو اس کا ہو جا
رزق پتھر تلے کیڑے کو جو پہنچاتا ہے

جس مسافر کا ارادہ ہو اٹل ہر صورت
بالیقیں منزلِ مقصود وہی پاتا ہے

ہم تو عاشق ہیں ہمیں چاہے جہاں پر رکھ دو
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

کیسا افضل بھلا انجامِ گلستاں ہوگا
بیٹھا ہر شاخ پہ الّو ہی نظر آتا ہے

علامہ سید اولادرسول قدسیؔ (امریکہ)
Mob-1(832)352-1992

وقت کے جسم پہ جب درد ستم ڈھاتا ہے
تو خوشی کا دلِ نازک بڑا گھبراتا ہے

اس قدر صبر کا دامن ہے ہمارا مضبوط
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

جانے وہ کون ہے اکثر یہی دیکھا میں نے
ابر بن کر میرے حالات پر چھا جاتا ہے

دوریوں کا نہیں جب شائبہ کچھ بھی باقی
کیوں مرے پاس وہ آنے سے شرماتا ہے

کیا رکھیں قدسی اس انسان سے امیدِ شعور
آج بھی خود کو کھلونے سے جو بہلاتا ہے

عظمت علی عظمت (کرنول)
98667925 09

دل کسی شر سے نہ ہی غم سے وہ گھبراتا ہے
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

حوصلہ جس کا ہے عالی و جواں بھی ہے
مسکراتے ہوئے آگے وہ بڑھا جاتا ہے

وہ قریب آئے تو حال اس کا خدا ہی جانے
دور ہی دور سے کس طرح وہ شرماتا ہے

یاد آپ آئے تو گردن کو جھکا لیتا ہوں
دل مرا آپ کا خود آئینہ بن جاتا ہے

یہ نیا رنگ تماشے کا نہیں ہے عظمت
جو تماشا تھا کبھی آج وہ دہراتا ہے

محمد مبارک حسین فریدی (مظفرپور

9973375190

جو سنوارے مرے گیسو کو سنور جاتا ہے
ساری دنیا میں مجھے اردو کہا جاتا ہے

فکر تو کچھ بھی نہیں ہم کو کہیں پر بھی رہیں
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

ایسے حاکم کو کیا ہم پہ مسلط رب نے
جس کا ہر ظلم وستم روز بڑھا جاتا ہے

گرچہ دولت کی فراوانی ہے اس کی لیکن
وہ غریبوں پہ نہیں کوئی ترس کھاتا ہے

مشکلیں میری جو آسان کئے دیتا ہے
اے فریدی مرا مالک ہے، مرا داتا ہے

نظام مجھولیاوی (مظفرپور بہار)
Mob-9973047938

اجر ہر ایک قدم پر وہ بشر پاتا ہے
جو مریضوں کی عیادت کے لئے جاتا ہے

ایسے انساں کو پہنچتا ہی ہے گہرا صدمہ
جس سے ناگاہ کوئی دوست بچھڑ جاتا ہے

کس طرح ہوگا بھلا اس کی دعاؤں میں اثر
بد عمل شخص جو لقمہ حرام کھاتا ہے

ہر گھڑی میرے تصور میں ہے محبوب مرا
"مجھ کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

قبر میں اس پہ عذاب ہوگا بہت ہی اے نظام
وہ پڑوسی جو پڑوسی پہ ستم ڈھاتا ہے

طاہرہ رباب (ہمبرگ، جرمنی)

چرخ پر ابرِ سیہ جب کبھی گھر جاتا ہے
"ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

میں مکمل تیری ہر ذات کے پہلو میں رواں
کس لیے اپنے سفر سے ہی تو گھبراتا ہے

ہر بشر خوف وگماں کے ہے سحر میں ہے رواں
فکرِ امروز ہی فردا کو تیرے پاتا ہے

جامِ تقدیر پیا اور نہ راحت پائی
مسئلہ پھر بھی ہر اک پل مجھے الجھاتا ہے

آرباب آرسی مصحف کریں لے عکسِ گماں
یہی اسرار کے پردوں سے یقیں لاتا ہے

سید خادمِ رسول عینی (حیدرآباد)
Mob-9527865833

کوئی بلبل کبھی کیا روٹھ کے بھی جاتا ہے   گل جہاں ہے وہیں وہ خود سے چلا آتا ہے
امتحاں لیتے رہو عشق ہے کامل اپنا   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"
نعتِ محبوبِ خدا وند جہاں کا ہے اثر   نیکیوں سے یہ جو بھر پور مرا کھاتا ہے
مت خطرناک سمجھ ایک درندے کو فقط   ہے شجر ایسا بھی جو آدمی کو کھاتا ہے
جو پریشان کرے خلقِ خدا کو عینی   زندگی میں ہی بشر ایسا سزا پاتا ہے

عظیم انصاری۔ جگتیال۔ ۲۴ پرگنہ (مغربی بنگال)
Mob-

سچ کی دنیا میں جو رہتے ہوئے گھبراتا ہے   جھوٹ کی دنیا میں وہ چین کہاں پاتا ہے
دیکھ کر جس کو چمک اٹھتی ہیں آنکھیں فوراً   ساری دنیا کو وہی رنگ بہت بھاتا ہے
کتنا ہوتا ہے کٹھن دل کو سنبھالے رکھنا   چھوڑ کر اپنا وطن جب بھی کوئی جاتا ہے
مانگنے والوں کی تعداد بہت ہے لیکن   دینے والا تو فقط ایک وہی داتا ہے
وہ کوئی اور نہیں اپنا ہی ہمدم ہے عظیم   جی کو میرے جو ہر اک بار جلا جاتا ہے

تنویر پھول، (نیویورک امریکہ)
Mob-6370768671

منکرِ حق کو اجل آئے تو پچھتاتا ہے   زندگی میں جو کیا اس کی سزا پاتا ہے
دیکھ لو سورۂ یونسؑ کی تم آیت نوے   غرق ہوتے ہوئے فرعون بھی چلاتا ہے
گل رخو! ہم ہیں تصور میں تمہارے غلطاں   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"
رب نے کھائی ہے قسم فصل قیامہ دیکھو   نفسِ لوامہ خطا کار کو شرماتا ہے
تیرے اشعار میں رنگینی بھی، ذکرِ حق بھی   پھول! اندازِ سخن تیرا ہمیں بھاتا ہے

شکیل سہسرامی (پٹنہ)
Mob-

جس کو جینے کا بہر طور ہنر آتا ہے   انقلابیں بھی زمانے میں وہی لاتا ہے
چھوڑ جاتا ہے سسکتی ہوئی یادیں اپنی   جانے والا تو زمانے سے چلا جاتا ہے
چار چھ ماہ پرانی یہ ملاقات نہیں   اک زمانے سے مرا اس کا حسیں ناطہ ہے
اس کا انجام بھی نمرود ہی جیسا ہوگا   بن کے نمرود مظالم جو یہاں ڈھاتا ہے
ہم تو خوگر ہیں زمانے سے اذیت کے شکیل   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"

قدسیہ قدسی (چیمور ملائیشیا)
Mob-03149474269

میرے ہونٹوں پہ سدا حرفِ دعا آتا ہے   گھر سے میرے جو کوئی سوئے سفر جاتا ہے
جانے پردیس میں کس حال میں بچے ہوں گے   ہمہ وقت ایک ہی غم جی کو مرے کھاتا ہے
مشغلے یوں تو زمانے میں سبھی رکھتے ہیں   مشغلہ شعر و سخن کا ہی ہمیں بھاتا ہے
یوں تو دعویٰ یہاں کرتے ہیں محبت کا بہت   صرف بے لوث محبت جو کرے، ماتا ہے
زلف مشکین و پیراہن رنگیں کے سبب   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے

ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی (ہمیر پور)
9418304634-1992

لاکھ بے کیف ہو ماحول ہمیں بھاتا ہے   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"
ہم نے ہر درد کو شعروں میں لیا ڈھال، ہمیں   آنچ میں غم کی سلگنے سے قرار آتا ہے
غم خوشی اپنے لئے ہو گئے یکساں جب سے   کتنا ویرانہ ہو اب دل نہیں گھبراتا ہے
اشک چھلکے نہ کہیں سوز سے اے اہلِ خرد   زخم کیسا بھی ہو کچھ روز میں بھر جاتا ہے
کھیل کر آگ سے اعزاز ملے گا تجھ کو   کیوں تو اس کھیل میں بے کار ہی ڈر جاتا ہے

سید خلیق الزماں (سیوان۔ بہار)
Mob-8009025588

جانے کیا خوف ہے کیوں دل میرا گھبراتا ہے   رات کے پچھلے پہر کون یہ چلّاتا ہے
میرا ہمزاد بھی غیروں سے ملا ہے شاید   جب بھی دیکھوں تو پسِ آئینہ چھپ جاتا ہے
محتسب خام خیالی میں ہمیں قید نہ کر   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"
آسماں ٹوٹ کے کس سمت گرے گا یارو   فلسفی فکر کے دریا میں مرا جاتا ہے
ہیں سخن ور تو زمانے میں بہت سے لیکن   شعر کہنا تو خلیقؔ آپ کو بس آتا ہے

یوسف ندیم (پونے)
Mob-9970198743

جس طرف میرا جنوں مجھ کو لئے جاتا ہے   جانے کیوں ہوش تعاقب میں چلا جاتا ہے
اپنی گم راہی کا شیطان کو الزام نہ دے   یہ ترا نفس ہی عصیان پہ اکساتا ہے
کچھ غریبوں کو دکھاوے کی سخاوت کر کے   حاتمِ ثانی بھی کم ظرف وہ کہلاتا ہے
مجھ سے کیوں بیر وہ رکھتا ہے مجھے علم نہیں   وقت آلام کو گھر میرے بلا لاتا ہے
شعبدہ گر ہے ندیم آج سیاسی رہبر   چہرے پہ چہرہ وہ فوراً ہی لگا آتا ہے

ڈاکٹر ممتاز منور (پونے)
Mob-

ہم سے اللہ یہ قرآن میں فرماتا ہے   بخش دوں گا میں گناہوں پہ جو پچھتاتا ہے
مانگنا ہے تو خدا سے ہی ہمیشہ مانگو   وہ ہی جتلائے بنا سب کو سدا دیتا ہے
ہر برائی میں ملوث ہے یہ انساں ایسے   دیکھ کے اس کو تو شیطان بھی شرماتا ہے
مر گیا آنکھ کا پانی بھی یہاں اے مالک   تیری دنیا میں مرا دل بھی تو گھبراتا ہے
اپنے اطراف کو کچھ ایسا بنایا ہم نے   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے

انعام الحق انعام (بردوان)
Mob-8368661282

ہم نہیں سیکھتے مذہب جو بھی سکھلاتا ہے   ہم کو خود ساختہ رستہ ہی فقط بھاتا ہے
اب تلک دیکھتا آیا ہوں جفا اور غربت   وقت اور دیکھئے کیا کیا ہمیں دکھلاتا ہے
دن کو تھک ہار کے جب شام کو گھر آتا ہوں   وہ خیالوں میں میرے آتا ہے، بہلاتا ہے
جب بھی ٹکراتی ہے کانوں سے پرندوں کی چہک   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے"
وقت سے ہے دلِ انعام کا دہرا رشتہ   زخم دیتا ہے وہی اور وہی بھر جاتا ہے

اوج اکبر پوری (رہتاس)
Mob-

جو بھی تنہائی میں خالق سے ڈرا کرتا ہے   درحقیقت وہی محبوبِ خدا ہوتا ہے
کوئی مانے یا نہ مانے یہی ہے اپنا مزاج   "ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے
زندگی جہدِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں   بڑی مشکل سے کوئی لعل و گہر پاتا ہے
اب تو احساس نہیں دل میں بھی عصیاں کا   جرم کر کے بھی نہیں اب کوئی شرماتا ہے
تاکہ قائم رہے اے اوج توازن اپنا   غم ہے کھانے کے لیے غصہ پیا جاتا ہے

احمد ندیم مورسنڈوی (کٹیہار، بہار)
7209100934

آج موسم بھی سہانا سا نظر آتا ہے
ہاتھ بھی تو وہ پکڑ کر ہمیں ٹہلاتا ہے

حادثہ اس کا ہوا کیسے بتائیں تم سے
زخم ایسا تھا کہ کہنے سے جی گھبراتا ہے

ہم بلائیں بھی اسے کیسے بلائیں یارو
پاس ویسے بھی تو آنے سے وہ کتراتا ہے

ہم ہیں بیمار بہت دن سے پتہ ہے اس کو
اس لیے دل وہ ہمارا یہاں بہلاتا ہے

ہم بہت خوش ہیں یہاں کر کے گزارا! دیکھو
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

توقیر احمد (جلگاؤں)
Mob-9284839029

مجھ سے ملنے کو اگر پاس کبھی آتا ہے
اپنی باتوں سے مرے دل کو وہ بہلاتا ہے

آپ محلوں میں رہیں شوق سے لیکن یارو
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

درمیاں لوگوں کے رہتا ہوں خوشی سے لیکن
میں جو تنہا رہوں پھر دل مرا گھبراتا ہے

زندگی میں کبھی خوشیاں نہیں رہتیں دائم
غم کا موسم اگر آتا ہے رلا جاتا ہے

یاد کر کے اسے روتے ہیں ہمیشہ توقیر
بیٹا ماں باپ کو جب چھوڑ چلا جاتا ہے

احقر القادری تیغی (مظفر پور)
7366854786

لطف جینے کا مکمل وہ بشر پاتا ہے
جو درِ یار پہ قسمت سے چلا جاتا ہے

دہر میں پیکرِ اخلاص و محبت ہے وہی
اپنے دامن میں جو سوغاتِ وفا لاتا ہے

ظالمو جتنا ستم ڈھانا ہے ڈھا لو لیکن
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

جو بھی رکھتا نہیں قدموں کو سنبھل کر اپنے
ٹھوکریں زیست میں ہر موڑ پہ وہ کھاتا ہے

صورتِ جاناں کی جھلک دیکھی ہے احقر نے بھی
مجھ کو دنیا میں کوئی اور نہیں بھاتا ہے

صابر کاغذنگری
Mob-9441020768

حسنِ اخلاق سے کردار سنور جاتا ہے
اس حقیقت کو بھلا کون سمجھ پاتا ہے

جستجو گوہرِ نایاب کی ہوتی ہے جسے
جا کے وہ گہرے سمندر سے اٹھا لاتا ہے

بسترِ گل تو نہیں قیدِ قفس میں، لیکن
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

ربِ عالم کی سدا حمد وثنا کرتا ہوں
دل مرا ذکرِ الٰہی سے سکوں پاتا ہے

زندگی اس کی اجیرن ہی رہی اے صابر
گردشِ وقت سے جو شخص بھی گھبراتا ہے

قاری غلام نبی حسن قادری
Mob-9934945133

زیست پر ایک نیا رنگ سا چڑھ جاتا ہے
ذہن پر جس گھڑی یزداں کا نشہ چھاتا ہے

ہے فقط تیری طلب، تیرا تجسس دل کو
لاکھ جلوے ہوں مگر یہ نہ سکوں پاتا ہے

تجھ سے شکوہ بھی نہیں کوئی شکایت بھی نہیں
بس یوں ہی صبر کا پیمانہ چھلک جاتا ہے

جب بھی ہوتا ہے تصور میں تمہارا جلوہ
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

کاگا دیتا ہے صدائیں جو کبھی آ کے حسن
تیرے آنے کی خبر ساتھ میں وہ لاتا ہے

حافظ مسعود محمود آبادی (سیتاپور، یوپی)
Mob-7379440730

اشکِ غم شب میں فروزاں جو نظر آتا ہے
صبحِ امید کا ہمراز وہ بن جاتا ہے

لاکھ پیوست جڑیں اس کی ہوں دریاؤں میں
ظلم کا پیڑ تو اک روز جھلس جاتا ہے

مفلسی دل پہ لگاتی ہے کچوکے اس دم
جب کھلونے کے لیے بچہ مچل جاتا ہے

شعر گوئی میں نئے پن کی تجھے ہے جو تلاش
بارہا کیوں اسی مفہوم کو دہراتا ہے

اہلِ دل پر نہیں موقوف ہے کچھ یہ مسعود
ان کا ہر فعل رگِ عشق کو بھڑکاتا ہے

سعید الحسن خاں گیر خیر آبادی (سیتاپور)
Mob-9307077007

بے گنہ ہونے کی اپنی وہ قسم کھاتا ہے
آئینہ سامنے آجایے تو گھبراتا ہے

جب بکھرتی ہے ہر اک سمت فضا میں خوشبو
اوج پر پھولوں کا کردار نظر آتا ہے

کوئی دیکھے تو سہی جرأت و ہمت اس کی
شیشہ ہوتے ہوئے پتھر سے وہ ٹکراتا ہے

پھول کھِل جاتے ہیں جب دل میں تری یادوں کے
''ہم کو صحرا میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

اے گہر کیسا وہ لمحہ ہے کہ بن کر دیوار
رات دن ذوقِ طلب کو مرے ترساتا ہے

یونس عاصم (کٹک)
موبائل۔9090156995

وقت کے ساتھ جو انسان نہیں چلتا ہے
چھوڑ کے وقت اسے دور نکل جاتا ہے

ہر طرف دیش میں نفرت کی ہوا چلتی ہے
آج کل کون علم پیار کا لہراتا ہے

جا کے صیاد سے کہہ دو یہ حقیقت یارو
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

جھانک کر دیکھتا ہوں جب کبھی ماضی کی طرف
دل کے شیشے میں ترا چہرہ ابھر آتا ہے

میں اسے اپنا مسیحا کہوں کیسے عاصم
جو مرے زخم کو ناسور بنا دیتا ہے

مفتاح اعظمی (ہوڑہ مغربی بنگال)
موبائل۔8697860307

جو بشر صاحبِ کردار نظر آتا ہے
احترام اس کا ہر اک طور کیا جاتا ہے

آؤ ہم اس کے لیے مانگیں دعائیں مل کر
اس کے جینے کا جو امکان نظر آتا ہے

جو بلا ناغہ ہمیں روز ملا کرتا تھا
اب نظر پھیر کے رستے سے گزر جاتا ہے

جس کی فطرت میں برائی ہی برائی ہو اگر
اس کو رسوا سرِ بازار کیا جاتا ہے

ہم تو قائل ہیں فقیرانہ روش کے مفتاح
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

امجد سلیم امجد (کریم نگر)
Mob-

جب بھی طوفان تلاطم کا ابھر آتا ہے
موج در موج سمندر میں بکھر جاتا ہے

عشق اپنا ہے محبت کا طلب گار مگر
حسن ان کا تو ملاقات سے شرماتا ہے

موسمِ گل نہ سہی، فصلِ بہاراں نہ سہی
گلشنِ دل یہ مرا اچھا ثمر پاتا ہے

پہلے لاتے تھے خبر روز کبوتر لیکن
نامہ بر آج کہاں ان کی خبر لاتا ہے

دست و بازو میں ہو گر قوتِ ایماں امجد
تم سے انسان ہی کیا شیطان بھی گھبراتا ہے

جناب انور جمشید پوری
Mob-7004384853

سامنا سچ کا وہ کرتے ہوئے گھبراتا ہے
آئینہ روبرو جو دیکھ کے ڈر جاتا ہے

کر دی مجبور سیاست نے ہمیں کہنے پر
''ہم کو زنداں میں بھی گلشن کا مزہ آتا ہے''

ایک مفلس کا بنایا ہوا خوابوں کا محل
تاش کے گھر کی طرح گر کے بکھر جاتا ہے

شرط ہے صبر اور اخلاص و وفا کی ورنہ
مسئلہ جو بھی ہو ہاتھوں سے سلجھ جاتا ہے

تیشۂ وقت سے تم خود کو تراشو انور
دستِ آذر سے تو پتھر بھی نکھر جاتا ہے

ادب پیما

(ادبی، تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں)

حضرت علامہ اولادرسول قدسی صاحب کو صدیق اکبرایوارڈ سے نوازا گیا

حضرت علامہ اولادرسول قدسی صاحب دوادین شاعر ہیں۔آپ نے شعروادب کی ہرصنف پرطبع آزمائی کی ہے۔خواہ وہ غزل ہو یا قصیدہ، نظم ہو یا رباعی، ہائیکو ہو یا دوہا صرف یہی نہیں بلکہ ان تمام مذکورہ اصناف میں آپ کے نعتیہ مجموعے بھی شائع ہوچکے ہیں۔علاوہ ازیں آپ نے بزمِ شعروادب میں پیش کردہ وہاٹس ایپ شعرا کے کلام کی اصلاح فرمائی اوران لاجواب اصلاحات پرمبنی تقریباً چار سوسفحات پر مشتمل ایک کتاب بنام ''نمِ عمیق'' بھی شائع فرمائی۔نمونے کے طور پر حضرت کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

قدسی محبوب مجھے اپنا وطن ہے لیکن
اس سے پیاری ہے محمد کے وطن کی خوشبو

مرسلہ: خادم رسول عینیؔ

قیصرؔ واحدی کی دوکتابیں منظرِ عام پر

شعری مجموعہ ''متاعِ قیصرؔ'' منظرِ عام پر آنے کے بعد قیصرؔ واحدی کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب ۳۰ر دسمبر ۲۰۰۹ء کومنعقد ہوئی تھی۔اس موقع پر الحاج عبدالحمید انصاری صاحب نے ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کی گل پوشی کی تھی۔دوسرا مجموعہ ''شہر کا زہر'' افسانوں پر مشتمل ہے جس کی رسمِ اجرا ڈاکٹر خلیل اللہ لائبریری (کامٹی) کے ہال میں زیرِ صدارت ڈاکٹر محمد رفیق اے ایس منعقد ہوئی تھی۔ان دونوں مجموعوں کی اشاعت پر ادارۂ ادبی محاذ قیصرؔ واحدی صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

کرنول میں یومِ غالبؔ کا انعقاد

۲۸ر دسمبر ۲۰۲۲ء کو مرزا اسداللہ خاں غالب کے ۲۲۶ر ویں یومِ پیدائش کے موقع پر کے وی آر گورنمنٹ کالج کے وسیع وعریض اسمبلی ہال میں یوم غالب منایا گیا جس میں ممتاز شاعر و ادیب خادم رسول عینی صاحب نے بطور گیسٹ لکچرار شرکت کر کے ''مرزا غالبؔ ''شخص وشاعر'' کے عنوان سے پر مغز تقریر تقریباً ایک گھنٹے تک کی۔دیگر شرکا میں کالج کے پرنسپل جناب سید قدرت اللہ قادری سمیت جملہ پروفیسر، طالبات اوراسٹاف موجود تھے۔صدر شعبۂ اردو محترمہ ڈاکٹر عرفانہ بیگم نے نظامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیے۔

خادم رسول صاحب نے دورانِ تقریر یہ کہا کہ مرزا غالبؔ کے اشعار کو سمجھنے کے لیے ان کی شخصیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ان کی نجی زندگی کا مطالعہ اس دور کے سیاسی وسماجی ماحول کے ساتھ ساتھ شاعری کے لوازمات بھی جاننا ضروری ہے۔غالب کے کلام پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ان کے کلام میں تنوع، مضامین کی فراوانی ہوتی ہے اور ایک شعر کے کئی کئی معنی بھی ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دیوانِ غالب کو کسی نے بائیبل سے موازنہ کیا تو کسی نے وید سے۔مزید فرمایا کہ غالب کی مقبولیت کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان کے اشعار دنیا کے ہر طبقہ کے لیے ہوتے ہیں۔کوئی فلسفی ہو یا سائنسداں، صوفی ہو یا عالمِ دین، واعظ ہو یا مقالہ نگار، عاشقِ حقیقی ہو یا غیر حقیقی سب کے لیے کوئی نہ کوئی موضوع ان کے اشعار میں مل جایے گا۔ان کے کلام میں غمِ ذات بھی ہے غمِ کائنات بھی، ہدایات بھی ہیں پند و نصائح بھی، وارداتِ حسن وعشق بھی ہے اور مناظرِ فطرت کی عکاسی بھی، حمدیہ اشعار بھی ہیں اور نعتیہ اشعار بھی، تصوف بھی ہے اور فلسفہ بھی۔

مرزا غالبؔ کو تشبیہات کا بادشاہ بھی کہا جاتا ہے۔ان کے اشعار تشبیہات، استعارات وعلامات سے مزین ہوتے ہیں۔ایک ایک لفظ کو مختلف اشعار میں انھوں نے مختلف معنی میں پیش کیا ہے۔کہیں بادہ کا معنی عشقِ حقیقی ہے تو کہیں تصوف ہے، کہیں علم ہے تو کہیں سائنس ہے، کہیں لیبارٹری ہے تو کہیں سائنسی آلات ہیں۔غرض کہ ان کے اشعار میں نادرونایاب تشبیہات، استعارات اور علامات اس قدر لطف انگیز ہوتے ہیں کہ غالبِ انھیں کی بدولت دنیائے ادب کے سب سے بڑے شاعر تصور کیے جاتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ غالب اپنے غیر فانی کلام کے سبب تا قیامت زندہ رہیں گے۔

عینیؔ صاحب نے اس موقع پر اپنی ایک نظم بھی غالبؔ کی شان میں پیش کی۔ملاحظہ فرمائیں:

کیف وطرب نشاط کا شاعر کہیں جسے۔غالب، زبانِ اردو کا ماہر کہیں جسے
بزمِ تخیلات کا ہے بادشاہ وہ۔تشبیہہ اس کی ایسی کہ نادر کہیں جسے
دیتا ہے وہ عدم کا پتہ بھی یقیں کے ساتھ۔محلِ تصورات کا زائر کہیں جسے
شاہین بھی پہنچ نہ سکے اس کے بام تک۔چرخِ تخیلات کا طائر کہیں جسے
آیاتِ صبر پر رہا عامل سدا وہ شخص۔ہر حال ہر محاذ میں صابر کہیں جسے
مسحور کر وہ دیتا ہے اپنے کلام سے۔اک باکمال شاعرِ ساحر کہیں جسے
دیوان اس کا دیتا ہے عینیؔ ہدایتیں۔حق کے مشاہدات کا ناشر کہیں جسے

عینیؔ صاحب کی تقریر کے بعد ڈاکٹر عرفانہ بیگم نے مرزا غالبؔ کی مدح میں اپنا منظوم کلام پیش کیا۔پھر کالج کی طالبات نے مختلف انداز سے آڈیو ویڈیو اور ڈراموں کے ذریعہ مرزا غالب کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔اس کے بعد مہمانِ خصوصی سید عینیؔ صاحب نے طالبات کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اسناد پیش کیں اور کالج کی جانب سے عینیؔ صاحب کو ان کی گرانقدر ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس تقریب کا اختتام کالج کے لکچرار جناب حافظ نذیر احمد صاحب کلماتِ تشکر سے ہوا۔

☆☆☆

TAWAKKAL ENTERPRISES
Poilce Lane, Buxi Bazar,
Cuttack-753001
Tel. : 0671-6548643
Mobile : 9238418643
Stockist of :
Hamdard, Zandu Pharmaceuticals,
Dechane, New Shama Labs, Kalonji Oil,
Noorani Oil, Qudrati Oil,
Royal Ayurvedic Pharmacy Etc.
Proprietor : ABDUL AHAD
Libas
Suit Specialist
Master
F.A. Khan
Ph. : 0671-2428418
Mob. : 9437143877
SUTAHAT
(NEAR TINKONIA BAGICHA)
CUTTACK - 1
INDIAN GARMENTS
Dargha Bazar
Cuttack-753001
Mobile : 9778678227
9090502335
Deals in :
Paint, Shirt, T-Shirt,
Trouser, Burmonda
and Inner Wear
The famous shop for
durable footwear in your city
BOMBAY
FOOTWARE
BUXI BAZAR, CUTTACK-1
DWA GHAR
Blood, Urine, Stool,
Pregnancy Etc.
are examined here
Prop. : Sd. Sahid Ali
Mobile : 93376 26958
Deewan Bazar,
Cuttack-1